راہ گذر یاد آیا
S-2
دت بھارتی
1/=

(C) دت بھارتی

ناشر

سٹار پبلیکیشنز

۲۷۶۱ - دریا گنج - دہلی ۶

قیمت: ایک روپیہ

•

سول ایجنٹس:

پنجابی پستک بھنڈار

دریبہ کلاں - دہلی ۶

گستاخی

اس ناول کے لئے جو گستاخی لکھی گئی تھی وہ میری بدقسمتی یا پبلشر کی خوش قسمتی سے اس میں نہیں دی جا رہی ہے۔ پبلشر نے اس پر اعتراض کر دیا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ ضرورت سے زیادہ گستاخ تھی۔ اس لئے یہ ناول گستاخی کے بغیر جا رہا ہے۔

ہاں! ناول کا عنوان غالب کے شعر سے لیا ہے

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گذر یاد آیا

دت بھارتی

دیو نگر۔ نئی دہلی۔
۲۸ر اپریل سنہ ۶۰ء

اس راہگذر کے نام جہاں سے میں پھر نہ گذرا۔

اس ناول کی ہیروئن کسی زندہ یا مردہ
ایکٹریس سے مطابقت نہیں رکھتی ہے
اور نہ ہی اسے کسی زندہ یا مردہ ایکٹریس
سے منسوب کیا جائے۔!

آنند نے رک کر گہرا سانس لیا۔

اسے محسوس ہوا کہ اس کے دل پر کئی من بوجھ پڑ گیا ہے۔ اور اس بوجھ کے نیچے اس کا سانس کلبلا رہا تھا۔ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اندر باہر نکلنے کو بے چین اور بے قرار ہو رہا تھا۔

لیکن سانس تو اس طرح نہیں رکتا۔ اس نے سوچا۔

سانس تو ایسی لطیف شے ہے۔ جس کے لئے تردد اور محنت کی ضرورت نہیں۔ وہ دن میں ہزار بار سانس لیتا تھا۔ رات کو سوتے میں بھی لیتا تھا۔

ایک عام انسان دن میں کتنی بار سانس لیتا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا ہاں وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ برسوں سے سانس لے رہا تھا

لیکن یہ سانس جو اس کی دل کی عمیق ترین گہرائی یا پھیپھڑے سے نکلا تھا۔ اتنا گہرا کیوں تھا۔ اور دوسرا ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کے تلے دب کر کیوں رہ گیا تھا۔

اس ناقابل برداشت بوجھ کو ہٹانے میں اسے دشواری محسوس ہوئی لیکن یہ دشواری دور ہوتے ہی اس نے دوسرا سانس لیا۔ تو اس کو یوں محسوس ہوا کہ اس کا جسم اور دل ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

گذشتہ برسوں میں اس نے لاکھوں بار سانس لیا تھا۔ لیکن اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ سانس برسوں سے اٹکا ہوا تھا۔ اس سانس نے اس کی

زندگی کو تابناک بنا رکھا تھا۔ اسے ایک مستقل اذیت بخش رکھی تھی۔ ایک بیکراں درد دے رکھا تھا۔ اور ایک ابدی خلش دے رکھی تھی۔

متعدد برس ـــــ اور ـــــ ایک سانس!

لامحدود بوجھ کے تلے دبا ہوا ـــــ یہ ـــــ ایک ہلکا سانس!

اَن گنت سانسوں میں سے ـــــ ایک سانس!

آسمان نے یہ سانس لے کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔

بازار کا ہنگامہ اور لوگوں کی آمد و رفت پورے شباب پر تھی بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے لوگ اس کے قریب سے گذر رہے تھے۔ ان گذرنے والوں میں بچے بھی تھے۔ بوڑھے بھی ـــــ جوان اور ادھیڑ عمر بھی۔ مرد اور عورتیں ـــــ کالے اور گورے ـــــ اور یہ انسان ایک سمندر کی شکل بن گئے تھے۔ اور لہروں کی طرح پھیل رہے تھے۔

اِن اَن گنت انسانوں کے بیچ وہ تنہا کھڑا تھا۔

اس شہر کی عمارتیں اتنی بلند تھیں، کہ بلند ہوتے ہوتے فلک کو چھو لینے کی کوشاں نظر آتی تھیں۔ ان فلک بوس عمارتوں میں لاکھوں انسان رہتے تھے ـــــ اور یہ شہر جس میں ہر روز ایک لاکھ آدمی باہر سے آتا تھا۔ اور اسی تعداد میں چلا جاتا تھا۔

اس میلوں لمبے چوڑے شہر میں، اس فلک بوس عمارتوں کے شہر میں، اور لاکھوں کی آبادی والے اس شہر میں وہ تنہا تھا۔ اکیلا تھا۔

تنہا ـــــ!

تنہا ـــــ!!

تنہا ـــــ!!!

بدحواسی کے عالم میں ایک شخص اس کے پاس سے گذرا - اور گذرتے ہوئے کندھا مار گیا - آنند نے خیالات کی دنیا سے نکل کر اس شخص کو دیکھا — لیکن اس شخص نے رک کر معذرت طلب کرنے کی ضرورت نہ سمجھی - بلکہ تیز قدموں سے بڑھتا گیا — آنند نے سوچا کہ اسے احساس دلانے کے لئے شاید کندھا مارا تھا کہ وہ تنہا نہ تھا - بلکہ ہزاروں انسانوں میں گھرا کھڑا تھا۔

آنند مسکرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا - اور بلند عمارت کی دیوار کے ساتھ جا لگا - تاکہ کوئی دوسرا راہگیر اسے کندھا نہ دے مارے۔

سڑک پر کاریں اور بسیں دوڑ رہی تھیں - انسانوں کی طرح ان کا تانتا بھی ٹوٹنے میں نہ آتا تھا -

اس شہر میں وہ اجنبی نہ تھا - اس کے باوجود ان لامحدود انسانوں میں تنہا تھا - — تنہا — لیکن وہ آج ہی تنہا نہ تھا - بلکہ وہ برسوں سے تنہا تھا -

لیکن میں — اس نے سوچا -

اس کی نگاہیں پچاس قدم دور سے آتی ہوئی ایک جوان لڑکی پر اٹھ گئیں - لڑکی کے سر کے بال کٹے ہوئے تھے — لیکن یہ کٹے ہوئے بال دو لمبی چوٹیوں کی شکل میں بل کھانے لگے — لڑکی نے سکرٹ پہن رکھی تھی - لیکن یہ سکرٹ ساٹن کا غرارہ بن گیا — لڑکی کے کندھے خالی تھے - لیکن ان پر ایک ریشمی آنچل لہرانے لگا — اس لڑکی کے چہرے کا رنگ سیاہ تھا - لیکن وہ سفید بن گیا — وہ سفید رنگ جو میدے میں زعفران ملانے سے بن جاتا ہے ، لڑکی کی آنکھیں چھوٹی تھیں - لیکن

وہ بڑی گول اور سیاہ بن گئیں۔

لڑکی اس کی طرف نپے تلے قدموں سے اس کی طرف آ رہی تھی۔ لیکن ان نپے تلے قدموں میں جوانی کی لچک پیدا ہو گئی ـــــ اس لڑکی چہرہ پریشان تھا۔ لیکن آنند کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا ـــــ اس کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک پیدا ہو گئی۔

سکرٹ والی لڑکی اپنی ہی دھن میں اس کے پاس سے گذر گئی۔ اس نے آنند پر نگاہ ڈالنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

لیکن ـــــ

وہ غرارہ والی حسین و جمیل لڑکی، اس کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ اس کا آنچل لہرا رہا تھا۔ سیاہ چوٹیاں اس کے سینے پر جھول رہی تھیں ـــ مسکراہٹ پھیلی تو اس کے پتلے ہونٹوں کے عقب سے خوبصورت سفید دانت دکھائی پڑے۔ اور اس لڑکی نے اپنا چھوٹا لیکن گداز ہاتھ آنند کے ہاتھ میں دے دیا۔

"مجھے دیر ہو گئی ـــ" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن دیر سے آنے کے لئے معذرت طلب نہ کی۔ جیسے وہ دیر سے ہی آنا چاہتی تھی۔ اور اسے کوئی افسوس نہ تھا۔

آنند نے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ جہاں ہونٹ اور آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"میں جانتا ہوں کیرتی۔" آنند نے آہستہ سے کہا۔

"تم کب سے انتظار کر رہے ہو۔" کیرتی نے اپنی گول آنکھیں اس کی پریشان آنکھوں میں ڈالتے ہوئے کہا اور مسکراہٹ جاری رکھی۔

"میں ٹھیک گیارہ بجے آگیا تھا۔" آنند نے چاہا کہ ان آنکھوں میں ڈوب جائے۔ جن میں محبت کا سمندر تھا۔

"ٹھیک گیارہ بجے۔" کیرتی نے مسکراہٹ جاری رکھی۔ "میں پونے گیارہ بجے تیار ہوگئی تھی۔ لیکن آنے لگی تو ماں نے روک لیا۔"

"میں جانتا ہوں۔" آنند نے اس کا سرتا پا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے ہر بار دیر ہو جاتی ہے۔ میں جب بھی یہاں آنے کے لئے گھر سے نکلنا چاہتی ہوں۔ کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آجاتی ہے۔ نہ معلوم ایسا کیوں ہوتا ہے۔ حالانکہ سارا دن میں کوئی کام نہیں کرتی ہوں۔" کیرتی نے صفائی پیش کی۔ جو آنند نے طلب نہ کی تھی۔

آنند چونکہ گیارہ بجے سے انتظار نہ کر رہا تھا۔ بلکہ ساڑھے دس سے انتظار کر رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کیرتی مقررہ وقت سے پہلے تو کجا مقررہ وقت پر بھی نہ آئے گی۔ اس لئے اس نے اسی میں مصلحت پائی کہ کہدے کہ وہ گیارہ بجے سے انتظار کر رہا تھا۔ یوں بھی کیرتی نے محض اتنا کہا تھا کہ "مجھے دیر ہوگئی ہے ——" اس نے حقیقت بیان کرنے سے گریز کیا۔

حقیقت یہ تھی کہ وہ ساڑھے دس بجے سے انتظار نہ کر رہا تھا۔ بلکہ دس بجے سے پارک میں بیٹھا گیارہ بجے کا انتظار کر رہا تھا۔ تاکہ گیارہ بجے چوک کی اس بلڈنگ کے پاس کھڑا ہو کر کیرتی کا انتظار کرے۔

انتظار اس کے ساتھ ایک عادت کی حیثیت رکھتی تھی۔ پہلے وہ اس انتظار میں رہتا تھا، کہ گیارہ بج جائیں —— پھر وہ اس بات کا انتظار کرتا تھا کہ کیرتی آجائے —— اور کیرتی کبھی وقت مقررہ پر نہ آتی تھی۔ اس

نے خود ہی کہا تھا کہ جب بھی وہ گھر سے روانہ ہونے لگتی ہے، کوئی نہ کوئی کام آن پڑتا ہے۔ اگرچہ سارا دن اسے کوئی کام نہ تھا۔

اسے اس انتظار سے کوفت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ یہ انتظار اسے مصروف رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے کیرتی سے گلا یا شکوہ نہ کیا تھا۔

موسم میں ہلکی سی خنکی تھی۔ صبح کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے یہ خنکی بہت ہی بھاتی۔ صبح کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے لوگ کام کاج پر جاتے تھے۔ لیکن اس کے لئے یہی کام تھا۔

ہر روز صبح ٹھیک ساڑھے نو بجے تیار ہو کر وہ گھر سے نکل پڑتا۔ جیسے دس بجے اسے کسی دفتر میں پہنچنا ہے۔ اس کے پڑوسی یہی سمجھتے تھے۔ کہ وہ برسر روزگار تھا اور ہر روز وقت مقررہ پر دفتر کیلئے روانہ ہو جاتا تھا لیکن حقیقت میں وہ گھر سے نکل کر پارک میں جا بیٹھتا تھا۔ اور ساڑھے دس پونے گیارہ بجے کے درمیان وہ اس چوک میں اسی عمارت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاتا۔ اور کیرتی کا انتظار کرتا۔

اس نے کیرتی سے یہی طے کر رکھا تھا ـــــ یا کیرتی نے اس کے ساتھ یہ طے کر رکھا تھا۔ (وہ آج تک نہ جان سکا تھا) کہ وہ اسی جگہ، ہر روز بلاناغہ گیارہ سے ساڑھے گیارہ تک کھڑا رہا کرے گا۔ اگر کیرتی کو وقت اور موقع ملتا تو وہ اس جگہ پہنچ جاتی ـــــ اور ایک دوسرے سے مل لیتے۔ ورنہ ساڑھے گیارہ بجے آنند کو اجازت تھی کہ چلا جائے۔ مزید انتظار نہ کرے۔ لیکن ایسے دنوں میں بھی وہ بارہ سوا بارہ بجے تک کیرتی کا انتظار کرتا رہتا۔

اس سمجھوتے کے باعث کیرتی نے دیر سے آنے کی معذرت طلب

نہ کی تھی۔

اس میں آنند کا قصور نہ تھا۔ یہ شہر ہی ایسا تھا۔ جہاں ہر شخص کام یا کام کے بنا مصروف رہتا تھا۔ اگر وہ تمام دن بھی اس دیوار کے ساتھ کھڑا رہ کر گذار دیتا تو اس سے کوئی شخص باز پرس نہ کرتا۔ کہ وہ کیوں دن بھر کھڑا رہا ہے۔

اور اب ـــــ کیرتی کا نرم، گرم اور گداز ہاتھ اس کے کھردرے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ مسکرا رہی تھی۔

"تم انتظار سے تنگ نہیں آجاتے ـــ" کیرتی نے مسکراہٹ جاری رکھی۔ یہ مسکراہٹ اس کی زندگی تھی۔

"نہیں ـــ!"

"کیوں ـــ؟"

"اس لئے کہ میں تمہارا انتظار کرتا ہوں ـــ"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو ....." کیرتی جملہ مکمل نہ کر سکی

تین چار شرارتی لڑکے ان کے قریب سے گذر رہے تھے۔ ایک لڑکا اس کوشش میں تھا، کہ اس خوبصورت لڑکی کے جسم سے اپنا کندھا یا ہاتھ ٹکرا دے۔ لیکن آنند نے بروقت کیرتی کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس کے نتھنوں میں کریم کی خوشبو گھس گئی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ صبح کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کیرتی کو ملا کرتا تھا۔ اس وقت موسم کی خنکی کے ساتھ کیرتی کا چہرہ تازہ شگفتہ اور دھلا ہوا ہوتا تھا۔ غسل اس کے چہرے پر نمی پیدا کر دیتا تھا۔ وہی نمی جو بارش کے بعد درختوں پر رہ جاتی ہے۔ وہ شگفتگی جو بارش ان پتوں پر پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ عجیب سی خوشبو جو موسم اور کیرتی پیدا کر دیتے تھے ـــ یہ

خوشبو آنند کو تروتازہ کر دیتی ہے۔

اس خوشبو کے علاوہ اس کے جسم میں سنسنی بھی دوڑ گئی تھی۔ کیرتی کا جسم اس کے جسم کے ساتھ تھا۔

لڑکے گذر گئے تھے اور ناکام رہے تھے۔

کیرتی پیچھے نہ ہٹی تھی۔ آنند کو چار پانچ انچ پیچھے ہٹنا پڑا۔

لڑکا چونکہ ناکام رہا تھا۔ اس لئے چار پانچ قدم دور جا کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ کیرتی نے زبان نکال کر دکھا دی۔ لڑکے کا برا حال ہو گیا۔

"الو کا پٹھا۔" کیرتی نے غصّے میں مردوں کی طرح گالی دی۔ وہ ایک بے باک اور اکھڑ قسم کی لڑکی تھی۔ "کیا سمجھتا تھا کہ میرے جسم کو ہاتھ لگ گیا تو میں اس کے ساتھ چل دوں گی۔"

"غصّہ تھوک دو۔" آنند نے مسکرا کر کہا۔

"وہ تو تھوک ہی دیا ہے۔ ذرا دور نکل گیا، ورنہ اس کے منہ پر ہی تھوکتی۔ پھر تاعمر کسی لڑکی کو کندھا یا ہاتھ مار کر نہ گذرتا۔" کیرتی کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"کیا آج یہیں کھڑی رہو گی۔"

"او نہیں! معاف کرنا۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ آؤ چلیں۔" کہہ کر کیرتی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چل پڑی۔ چلتے چلتے کیرتی یک لخت رک گئی۔ "نندی! تم سگرٹ نہیں پی رہے ہو۔"

"یوں ہی! ویسے میرے پاس ابھی ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے پرس کھولتے ہوئے کہا۔ "اگر ہوا بھی تو ایک آدھ ہو گا۔ میں کل لا سکی تھی۔"

"نہیں زیادہ ہیں۔"

"زیادہ ہیں، تو دو ہوں گے۔" کیرتی نے پرس سے چار پیکٹ نکال کر بڑھا دیئے۔

"چار پیکٹ۔" آنند نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں! دو کل خریدے تھے۔ لیکن آ نہ سکی۔ اور دو اب آتے ہوئے خریدے تھے۔"

"شکریہ۔" آنند نے پیکٹ لیکر تین جیب میں ڈال لئے۔ اور چوتھے پیکٹ کو کھولنے لگا۔

"تم نے جھوٹ کہا تھا۔" کیرتی نے غرا کر کہا۔

"جھوٹ۔" آنند نے رک کر کیرتی کا چہرہ دیکھا۔ "جھوٹ کس بات پر۔"

"تو تمہارے پاس سگرٹ تھے۔" کیرتی نے چوتھے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ جسے آنند کھول رہا تھا۔ اور آنند کو غضب ناک نگاہوں سے دیکھا۔

"تمہاری قسم ہیں۔"

"پھر جھوٹ۔"

"نہیں کیرتی، تمہارے سر کی قسم۔ یہ دیکھو۔" کہہ کر آنند کے پتلون کی جیب سے آدھا سگرٹ نکال کر دکھایا۔ "میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔"

"یہ آدھا سگرٹ۔" کیرتی نے تڑپ کر کہا۔ "اور تم اتنی دیر سے باتیں کر رہے تھے۔ اگر مجھے خیال نہ رہا تھا۔ تو تم ہی یاد دلا دیتے۔"

"لیکن میں نے تمہارے آنے سے دو منٹ پہلے ہی سگرٹ بجھایا تھا۔"

"کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔ میرا خیال ہے یہ آدھا سگرٹ تم نے کل سے

بچارا کھا ہوگا ـــــ " کیرتی نے اداس لہجہ میں کہا۔
" اب سڑک پر نہ جھگڑو - لوگ کیا کہیں گے۔ "
" لوگوں کے باپ کی سڑک ہے۔ "
" نہیں - یہ اچھا نہیں، کھائی دیتا - " آنند نے مسکرا کر کہا۔
سگرٹ اس کے ہونٹوں میں دبا ہوا تھا۔ اور وہ بنا جلے سگرٹ کے کش لے رہا تھا۔

" اب اسے سلگاتے کیوں نہیں۔ "
" سلگاتا ہوں ـــــ سلگاتا ہوں ـــــ کسی جگہ بیٹھ کر سلگاؤں گا۔ "
" کہتے کیوں نہیں کہ ماچس نہیں ہے - " کیرتی نے چلّا کر کہا۔
" آہستہ بولو ـــــ "
" کیوں بولوں آہستہ ـــــ " غصّہ میں کیرتی کے رخساروں کی سرخی نمایاں ہوگئی تھی - اور اس کی آنکھیں زیادہ بڑی اور زیادہ گول ہوگئی تھیں - " آؤ ماچس خرید لیں۔ وہ سامنے ہی دکان ہے ـــــ "
ایک شخص سگرٹ پیتا ہوا جا رہا تھا۔ آنند نے اسے روک لیا۔ " ذرا ماچس دیجئے ـــــ " اس نے کہا۔
اس شخص نے رک کر اس خوبصورت لڑکی پر حسرت آمیز نگاہ ڈالی اور ماچس نکال کر آنند کی طرف بڑھا دی۔
" شرم نہیں آتی - " کیرتی نے غصّے میں ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔
آنند جواب میں مسکرا دیا - سگرٹ سلگا کر اس نے ماچس راہ گیر کو لوٹا دی۔ راہ گیر چلا گیا تو اس نے مسکرا کر کیرتی کو دیکھا - جو غصّے میں بل کھا رہی تھی۔ لیکن خوبصورت ہوگئی تھی۔

"تین پیسے کی ماچس کی خاطر......"

"نہیں کیرتی! سگرٹ نوشوں میں ایک اخلاقی سمجھوتہ ہوتا ہے۔ اگر ایک مزدور لکھ پتی سگرٹ نوش سے ماچس مانگ لے تو لکھ پتی انکار نہ کرے گا۔ اور بسا اوقات ایک لکھ پتی کسی مزدور یا غریب سے ماچس مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"اب صفائی پیش کر رہے ہو۔"

"صفائی نہیں! اگر صفائی پیش کرنا مقصود ہوتا۔ تو اس سگرٹ نوشی کو ہی بند کر دوں ۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ کبھی کبھی یہ بد عادت باعث پریشانی ہو جاتی ہے۔" آنند نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"میں نے تمہاری سگرٹ نوشی پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ میں ماچس کی بات کر رہی تھی۔" کیرتی کی آواز کانپ رہی تھی۔ "لیکن تم میری معمولی سی بات بھی پکڑ لیتے ہو۔" کہتے کہتے کیرتی کی آواز بھرا گئی۔

"دیکھو کیرتی! اب سڑک پر رونا شروع نہ کر دینا۔ خدا کے لئے سمجھنے کی کوشش کرو ۔۔۔ میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا ۔۔۔" یہ کہہ کر آنند نے چلنا شروع کر دیا، کیرتی بھی چل پڑی۔

"لیکن میرے دل کو ٹھیس پہنچانا تمہاری ......"

"عادت ہے۔" آنند نے ہنس کر لقمہ دیا۔

"خیر!" کیرتی نے گہرا سانس لیا۔ "کاش میں تمہیں سمجھ سکتی۔"

"مجھے سمجھنا کیا مشکل ہے۔ سیدھا سادہ آدمی ہوں۔"

"سیدھے تو جلیبی کی طرح ہو۔ سنا دے کیسے ہو" وہ ہنس دیا تھی۔

مخصوص ریسٹوران آگیا تھا۔ جہاں وہ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔

آنند دروازے کے آگے رک گیا۔

"رک کیوں گئے، اندر چلو۔"

"ہاں ہاں۔" آنند نے کہا۔ "آؤ۔" یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔

تمام ہال تقریباً خالی تھا۔ بھلا صبح کے ساڑھے گیارہ بجے ریسٹوران میں کون جاتا تھا۔ سارے ریسٹوران میں دو مرد بیٹھے تھے۔ جو ایک آدھ پیالہ چاء پینے آئے تھے۔ میزوں اور کرسیوں کے بیچ سے نکلتے ہوئے، وہ اپنے مخصوص کیبن میں پہنچ گئے۔

حسب معمول وہ اپنی اپنی کرسی پہ بیٹھ گئے۔

آنند نے سگرٹ کا پیکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اسی لمحہ دروازے سے بیرا وارد ہوا۔

"سب سے پہلے ایک ماچس لاؤ۔" کیرتی نے حکم دیا۔

"اور کیا لاؤں۔" بیرا نے سوال کیا۔

"میں نے کہا ہے پہلے ماچس لاؤ۔" کیرتی نے چلا کر کہا۔

بیرا چلا گیا۔

"کیا پیئو گے۔" کیرتی نے سوال کیا۔

"تم جانتی ہی ہو۔"

چاء — چاء — میں نے کتنی بار کہا ہے کہ کبھی دودھ ہی پی لیا کرو۔"

"دیکھو کیرتی! تم جانتی ہو کہ جیسے تم چاء پینا نہیں سیکھ سکتی ہو، اسی طرح میں کولڈ ڈرنک نہیں پی سکتا — اور رہا دودھ — وہ ماں کا بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ اب کیا کروں گا پی کر۔"

مجھے تمہاری یہ باتیں بالکل پسند نہیں! تم ہر وقت یہ جلی کٹی کیوں

سناتے رہتے ہو۔"

"وہ محاورہ سنا ہے نا۔"

"کون سا۔؟"

"مردہ بولے گا تو کفن پھاڑے گا۔"

کیرتی کوئی سخت بات کہنے لگی تھی کہ بیرا آگیا۔ اس کا کھلا منہ کھلا ہی رہ گیا۔ بیرا نے ماچس میز پر رکھ دی۔ اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"چائے اور کولڈ ڈرنک لے آؤ۔" کیرتی نے بیرا کو حکم دیا۔ اور چلا گیا۔ پھر وہ آنند سے مخاطب ہوئی۔ "کیا کھاؤ گے۔؟"

"کیا کھاؤں گا۔" آنند نے بات چبائی۔ "بھوک تو خاص نہیں ہے۔"

"بھوک۔" کیرتی چونک پڑی۔ "تم۔ تم نے صبح ناشتہ کیا تھا۔؟"

"کیا تھا۔"

"جھوٹ۔" کیرتی نے کہا۔ "کیا کھایا تھا ناشتے میں؟"

"فرنچ ٹوسٹ اور کریم والی چائے۔"

"فرنچ ٹوسٹ اور کریم والی چائے۔" کیرتی نے اسے گھور کر دیکھا۔ "پھر تو بڑے خوش قسمت ہو! لیکن ایسا ناشتہ صبح ہی صبح کہاں سے مل گیا۔"

"کسی نے کھلا دیا تھا۔"

"کون تھا۔؟"

"تھا نہیں ـــــ تھی۔"

"تھی۔!" کیرتی چونک کر بولی۔ "کون تھی وہ۔؟"

"ایک جوان اور خوبصورت لڑکی۔"

"جوان اور خوبصورت!" کیرتی نے حلق پھاڑ کر کہا۔ "کہاں رہتی ہے وہ۔؟"

"میرے پاس ہی۔"

"تمہارے پاس۔؟"

"ہاں۔!"

"تم کیسے جانتے ہو اسے۔!"

"وہ مجھے پیار جو کرتی ہے۔"

"اور تم۔؟"

"میں بھی پیار کرتا ہوں اُسے۔"

"کیا!۔" کیرتی جوش میں کھڑی ہو گئی۔ "تم۔ تم کسی لڑکی سے پیار کرتے ہو۔!"

"ہاں۔!" آنند نے سادگی سے کہا۔

"اور تم اس سے ملتے ہو۔"

"ہاں۔!"

"اور وہ تمہیں ناشتہ کھلاتی ہے۔" کیرتی نے اونچے لہجہ میں کہا۔

"ہاں۔!"

"اور آج صبح اس نے فرنچ ٹوسٹ کھلائے تھے۔ اور کریم والی چاء پلائی تھی۔"

"ہاں۔!"

"پھر مجھ سے کیوں ملنے آئے ہو۔"

"تم نے بلایا جو تھا۔"

"میں نے کب بلایا تھا۔"

"بلایا نہیں تو آئی کیوں ہو۔!"

"میں۔ میں۔" کیرتی سے جواب نہ بن پڑا۔ "میرا خیال ہے مجھے گھر جانا چاہیئے۔"

"تم ناراض ہو کر جا رہی ہو۔"

"میں کیوں ناراض ہونے لگی۔"

"لیکن تم نے اس لڑکی کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔"

"مجھے کیا لینا ہے اس کا نام جان کر۔" اس نے کیبن کے دروازے میں رک کر کہا۔

"خیر میں بتلائے دیتا ہوں۔ اس کا نام کیرتی ہے۔" آنند نے کہا۔

"بلا سے۔" کیرتی نے کہا اور کیبن سے باہر چلی گئی۔ لیکن اس نے ابھی ایک قدم ہی اٹھایا تھا۔ کہ کیبن میں لوٹ آئی۔ آنند سر جھکائے سگرٹ کے کش لے رہا تھا۔ کیرتی نے کھڑے رہ کر اسے ایک منٹ دیکھا۔ لیکن آنند نے جان بوجھ کر نگاہیں اٹھا کر نہ دیکھا۔ وہ دبے قدموں سے چل کر اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"نندی۔"

"ہوں۔"

"تم نے کیا نام لیا تھا۔" کیرتی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"جو تم نے سنا تھا۔"

"نندی۔"

"ہاں۔" آنند کی آواز بھی بھاری ہو گئی۔

"آج صبح میں نے تمہیں ناشتہ کھلایا تھا۔"

"ہاں کیرتی! اس لمبی چوڑی دنیا میں ایک تم ہی تو موجو میری ہو، اور

تم جانتی ہو کہ میری زندگی میں رکھا ہی کیا ہے۔"

"اور آج صبح بھوک نے تمہیں، جب بری طرح پریشان کر ڈالا۔ تو میں تمہیں فرنچ ٹوسٹ اور کریم والی چائے پلانے آگئی۔ اور تم نے اس سے پیٹ کی آگ بجھالی ـــــ تم اپنے گھر میں تھے۔ اور میں اپنے فلیٹ میں ـــ نندی تم کتنے۔ کتنے ....." کیرتی کی آواز دم توڑ گئی۔ آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے گلا رندھ گیا تھا۔ اور آواز نکالنا محال ہوگیا تھا۔

بیرا اندر آیا تو کیرتی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ بیرا نے پینے کا سامان رکھا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

"اور کیا لاؤں ـــ"

"فرنچ ٹوسٹ ہیں۔"

"جی نہیں ـــ"

"تو جاکر سادہ ٹوسٹ مکھن اور آملیٹ لاؤ ـــ" اس نے بیرا کو حکم دیا پھر آنند سے مخاطب ہوئی۔ "اور کیا کھاؤ گے ـــ"

"یہ کافی ہے ـــ" آنند نے آہستہ سے کہا۔

"خیر ابھی یہ لاؤ ـــ" کیرتی نے حکم دیا ـــ" اور ہاں! پہلے ایک آئس کریم دے جانا ـــ جلدی ـــ"

"دو کے لئے ـــ"

"نہیں ـــ ایک کے لئے ـــ لیکن جلدی ـــ" کیرتی نے اپنی آواز پہ قابو پالیا تھا۔

بیرا چلا گیا۔

کیرتی کچھ دیر آنند کا چہرہ دیکھتی رہی۔ معصوم چہرہ ـــ بچے کے

چہرے کی طرح معصوم ـــــ معقول اور دلکش نقوش ـــــ کیرتی اس خوبرو انسان کو دیکھ رہی تھی جو عزیب تھا۔ لیکن اس کا محبوب تھا۔

" تندری تم سگرٹ نہیں پی رہے ہو ـــــ "

" اوــــ " آنند نے چونک کر اسے دیکھا اور پیکٹ اٹھا لیا۔

" مجھے دو۔ میں سلگا کر دیتی ہوں ـــ " کہہ کر کیرتی نے پیکٹ لیکر سگرٹ نکالا اور ہونٹوں میں لگالیا ـــــ ایک اناڑی کی طرح ماچس جلائی لیکن سگرٹ نہ سلگا سکی، تیسری کوشش میں سکر سے آدھ انچ دور اس نے سگرٹ سلگادیا۔ کش لینے کی دیر تھی کہ سگرٹ ہونٹوں سے جدا ہو کر میز پر جا گرا۔ دو منٹ وہ کھانستی رہی ۔ اور سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔

" میرے خدا ـــــ " اس نے کھانسی اور سانس پر قابو پاکر سگرٹ اٹھا کر آنند کی طرف بڑھا دیا۔ " اتنا کڑوا ہوتا ہے۔۔! کیسے پی لیتے ہو تم ـــــ "

آنند نے مسکرا کر سگرٹ لے لیا۔ اور ہونٹوں کو لگا کر گہرا کش کھینچا۔ دھواں چھوڑتے ہوئے اس نے کہا ـــــ " کچھ لوگوں کے حصے میں صرف کڑواہٹ آئی ہے ـ ! "

" لعنت ہے ایسی کڑواہٹ پر ـــ " کہہ کر کیرتی سکواش کا ایک گھونٹ لیا۔ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی ـــــ " لاؤ تمہارے لئے چائے تیار کردوں ـــــ " اور دوسرے ہی لمحے چائے تیار کرنے لگی۔

ماحول کی تلخی اور یاسیت ختم ہو گئی تھی ـــ لیکن کیرتی پھر اسی موضوع کی طرف لوٹ گئی ـ

"نندی ——"

"کہو ——"

"آج صبح میں نے تمہیں فرنچ ٹوسٹ کھلائے تھے۔ اور کریم والی چاء پلائی تھی۔ اور انہیں اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہوگا —— لیکن یہ بتاؤ رات تم نے کیا کھایا تھا ——"

"رات ——!" آنند نے خندہ پیشانی سے کہا۔ "رات میں نے چکن پلاؤ کھایا تھا ——"

"چکن پلاؤ، وہ تو ہمارے ہاں پکا تھا ——"

"میں جانتا تھا۔ اسی لئے میں نے بھی وہی کھایا ——"

"اور یقینی بات ہے کہ اسے بھی کسی لڑکی نے کھلایا ہوگا ——"

جواب میں آنند مسکرا دیا۔

"جانتے ہو کل شام بھوک سے برا حال تھا میرا۔ میں بار بار باورچی خانے میں جاکر ملازم سے پوچھتی کہ ابھی کتنی دیر ہے۔ باورچی خانہ پلاؤ کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ نوکر کہتا ابھی دیر ہے، تو آکر چاکلیٹ کھا لیتی۔ جب ڈنر لگایا گیا اور میں ڈائننگ ٹیبل پر پہنچی تو پلاؤ دیکھ کر میری بھوک ہی غائب ہوگئی —— اب سمجھ میں آیا کہ جس پلاؤ کے لئے میں بار بار باورچی خانے میں دیکھنے گئی تھی، جب تیار ہوکر آیا تو مجھے بھوک کیوں نہ رہی ——"

"کیوں نہ رہی ——"

"اس لئے کہ مرغ پلاؤ تو تم کھا رہے تھے۔ اور میں کھلا رہی تھی اپنا حصہ۔ مجھے بھوک کیونکر رہتی —— نندی —— پیار میں ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اگر محبوب خالی پیٹ ہو تو محبوبہ کی بھوک بھی غائب ہو جائے۔"

"یہ میں نہیں جانتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور جانتا ہوں، کہ جس روز خالی پیٹ ہوتا ہوں، اس روز بہترین کھانے کھانے کو ملتے ہیں ——"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ تصور یا خلاء میں ہمیشہ بہترین چیزیں ہی ملتی ہیں۔ یہ خواب، یہ تصور —— اور یہ خلا کتنا راحت بخش اور تسلی آمیز ہوتا ہے —— لیکن نندی! تم ہر وقت خلاء، تصور، یا خوابوں میں نہ رہا کرو۔ اس خلا میں کیرتی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو تمہیں مرغ پلاؤ، فرنچ ٹوسٹ اور کریم والی چائے پلاتی ہے —— تم خلا میں دیکھتے ہو، خلا میں اڑتے ہو اور خلا میں زندہ رہتے ہو —— اور کسی روز خلا میں ہی مجھ سے شادی نہ رچا لینا۔ اور ادھر میں انتظار میں بوڑھی ہو جاؤں۔ نندی یاد رکھنا، خلا میں زندگی گذاری جا سکتی ہے لیکن انتظار میں زندگی نہیں گذاری جا سکتی ہے۔"

"نہیں کیرتی! میں خلا کا باشندہ نہیں ہوں۔ خلا تو محض ایک سہارا ہے، میری زندگی نہیں! میری زندگی تم ہو۔ اور تم ایک حقیقت ہو، ایک وجود ہو —— ایک جسم ہو، سانس لینے والا۔ حرکت کرنے والا جسم —— ہاں! یہ ضرور سوچا کرتا ہوں کہ آج جسے سہارا سمجھتا ہوں۔ کسی روز میری زندگی نہ بن جائے۔ اور جسے میں زندگی سمجھتا ہوں، وہ محض سہارا بن کر رہ جائے۔ اور مجھے اس سہارے کے نام پر ساری عمر بتانا پڑے ——"

"وہ دن کبھی نہ آئے گا۔ نندی —— وہ دن کبھی نہ آئیگا۔"

"چاہتا میں بھی یہی ہوں ——"

ایک راہ گیر کا کندھا آنند کے کندھے سے ٹکرا گیا۔ وہ گرتے گرتے بچا۔ لیکن ساتھ ہی وہ خیالات کے گرداب سے باہر نکل آیا۔

یہ سب باتیں تیرہ برس پرانی تھیں۔

وہ آج جس بلڈنگ کے پاس کھڑا تھا، تیرہ برس پہلے وہ اسی طرح اس بلڈنگ کے پاس کھڑا تھا اور اس روز کیرتی کے ساتھ یہ باتیں ہوئی تھیں۔

اور تیرہ برس بعد، یہ سب باتیں وہ خلا میں کر رہا تھا۔

ایک کرسچین لڑکی کو دیکھ کر جس کے سر کے بال بے ہودہ طریقہ سے کٹے ہوئے تھے۔ جس کا رنگ سیاہ تھا۔ جس نے سکرٹ پہن رکھی تھی۔ جو نہ معلوم کہاں سے آ رہی تھی اور کہاں جا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ کیرتی کو ذہن میں لے آیا تھا اور تیرہ برس پہلے کی کئی باتیں اس کے ساتھ کرتا رہا تھا ــــ وہاں کیرتی نہ تھی، جس نے غرارہ پہن رکھا ہو۔ جس کے سینے پر دو چوٹیاں لہرا رہی ہوں۔ حسین و جمیل کیرتی۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ اسے یہاں کھڑے آدھ گھنٹہ ہو گیا تھا۔ آدھ گھنٹہ ــــ تیس منٹ ــــ اور تیرہ برس پرانی باتیں ــــ

زندگی ایک خلا میں کر رہ گئی تھی ــــ محض ایک خلا ــــ

آنند نے گہرا سانس لیا۔ اس وقت صبح کے ساڑھے گیارہ نہ بجے تھے۔ بلکہ دوپہر کے ساڑھے تین بجے تھے۔ وہ کیرتی کے ساتھ ریسٹوران میں بیٹھا کریم والی چائے کے ساتھ آملیٹ نہ کھا رہا تھا۔ بلکہ چوک کے اس بلڈنگ کے ساتھ لگا کھڑا تھا اور اس آدھ گھنٹہ میں ہزاروں آدمی اس کے پاس سے گذر گئے تھے اور اب بھی گذر رہے تھے۔

انسانوں کا تانتا ٹوٹنے میں نہ آتا تھا۔ کاریں ــــ بسیں ــــ ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ خیالات کی طرح یہ بھی ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ تیرہ برس پہلے بھی اسی طرح مرد، عورتیں، بچے بوڑھے کالے گورے ــــ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے اس کے پاس سے گذرا کرتے تھے ــــ اور آج بھی گذر

رہے تھے — !

لیکن وہ تنہا تھا۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ سب باتیں چاندکی دنیا کی تھیں — یا خلا کی باتیں — ایک ایسا خلا جو فلم ختم ہونے کے بعد پردہ پر پیدا ہو جاتا ہے صرف سکرین رہ جاتی ہے۔ جہاں کچھ دیر پہلے آدمی، عورتیں، ہنس رہے ہوتے ہیں۔ رو رہے ہوتے ہیں، ناچ اور گانے ہوتے ہیں — ورجنوں کردار ہوتے ہیں۔ محل اور جھونپڑیاں ہوتی ہیں — لیکن جیسے ہی شو ختم ہوتا ہے، پردہ خالی ہو جاتا ہے۔ اور وہاں کچھ نہیں رہتا۔

نہیں نہیں! اس نے سوچا — وہ خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرا شو شروع ہو جاتا ہے۔

آنند نے گہرا سانس لیا۔ اور چل پڑا۔

چلتے چلتے وہ رک گیا۔

اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے ایک آہنی دروازہ تھا۔ چھوٹا سا لان ـــ اور پھر ایک بلند عمارت۔

وہ ایک طرف کھڑے ہو کر اس نے اس سہ منزلہ عمارت کو دیکھا۔ سہ منزلہ عمارت کے برآمدوں میں اکا دکا لڑکا یا لڑکی گھوم رہی تھی۔ بیشتر طلبا کلاس روم میں تھے۔

اس نے سگرٹ نکال کر ہونٹوں سے لگایا۔ اور اسے لائیٹر سے سلگایا ابھی اس نے پہلا کش کھینچا تھا کہ گھنٹی کی آواز نے سکوت کو منتشر کر دیا۔ اس آواز نے ایک طوفان بپا کر ڈالا۔ جو برآمدے خالی تھے وہ لڑکے اور لڑکیوں سے بھر گئے۔ کمرے جو بھرے ہوئے تھے وہ خالی ہو گئے۔

پھر برآمدے بھی خالی ہونے لگے اور لان بھرنے لگا۔ لڑکے اور لڑکیاں کتابیں اپنی بغل میں ڈالے گیٹ کی طرف آنے لگے۔ وہ گیٹ سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

لڑکوں کی ٹولیاں قہقہے لگاتی، اور فقرے چست کرتی جا رہی تھیں لڑکیاں بھی ہنسی مذاق کرتی جا رہی تھیں۔ پھر اکا دکا لڑکا گذرنے لگا۔ اور ایک آدھ لڑکی گذرنے لگی۔

ایک لڑکا اور ایک لڑکی جوڑے کی شکل میں گذرے۔

کسی بھی کالج کے گیٹ سے، چھٹی کے بعد جب ایک لڑکا اور ایک لڑکی اکھٹے باہر نکلتے ہیں، تو ایک کہانی بن رہی ہوتی ہے۔

کسی ریسٹوران کے تنہا گوشہ میں، میز کے گرد اگر ایک جوان لڑکا اور ایک جوان لڑکی سرگوشیانہ انداز میں باتیں کر رہے ہوں، تو ایک داستان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ان گذرتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں سے وہ ہٹ کر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن ایک لڑکا اور ایک لڑکی جب اس کے پاس سے گذرے تو اس جوڑے نے اس پر مشکوک نگاہیں ڈالیں۔ چند قدم جانے کے بعد انہوں نے مڑ کر دیکھا اور جب آنند کو تعاقب کرتے نہ پایا۔ تو چلے گئے

آنند نے گہرا سانس لے کر سوچا۔

وہی کالج ہے۔ وہی عمارت ہے۔ اسی طرح لڑکے اور لڑکیاں چھٹی کے بعد باہر نکلتے ہیں۔ اسی طرح جوڑے بھی نکلتے ہیں ـــــ وہ جوڑے جن پر باقی لڑکے اور لڑکیاں رشک کرتے ہیں۔ رشک اور حسد کی آگ میں جلتے ہیں اور دل پکڑ کر رہ جاتے ہیں۔

آنند ماضی میں کھو گیا۔

وہ چند لڑکوں کے ساتھ برآمدے میں کھڑا تھا۔ دو لڑکے برآمدے کی چار فٹ اونچی دیوار پر بیٹھے تھے۔ ایک ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ باقی ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔

کلاس روم دو لڑکیوں کے سوا خالی ہو چکا تھا۔ اور یہ دونوں لڑکیاں اندر بیٹھی نہ معلوم کیا باتیں کر رہی تھیں۔

خدا خدا کر کے وہ باہر نکلیں۔ انہوں نے اس گروپ پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔ اور نگاہیں جھکا کر نکل گئیں۔

ابھی وہ چند قدم ہی گئی تھیں، کہ گروپ میں سے ایک لڑکا بولا۔

"لائن صاف ہے۔"

"آج اس دیوی کی صفائی کر ڈالو۔" دوسرے نے کہا۔

"نہیں بھائی اس کی نہیں۔" آنند نے کہا۔

"کیوں نہیں۔" تیسرے نے چمک کر کہا۔ "نہ معلوم کیوں تمہیں اس سے ہمدردی ہے۔"

"ہمدردی کی بات نہیں۔ نہ معلوم کیوں میں چاہتے ہوئے بھی اس پر ہاتھ صاف نہیں کر سکتا۔" آنند نے جواب دیا۔

"سالے! کہیں چکر میں تو نہیں پھنس گئے ہو۔" پہلے نے فقرہ چست کیا

"چکر! کیسا چکر۔؟" آنند نے سادگی سے پوچھا۔

"وہی چکر ——— وہی ——" پہلے نے معنی خیز طور پر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابے کون سا۔؟" آنند نے جھلا کر کہا۔ ہر لڑکے کی مسکراہٹ معنی خیز بن گئی تھی۔

"جسے انگریزی میں لو کہتے ہیں۔ اردو میں عشق۔ ہندی میں پریم۔" پہلے نے کہا، اور ایک قہقہہ بلند ہو کر فضا میں بکھر گیا۔

متوقع طور پر آنند جھینپ گیا۔

"پھر ٹھیک ہے نا۔" جیسے ہی قہقہے نے دم توڑا، نمبر چار بولا۔

"نہیں بھائی ایسی کوئی بات نہیں۔" آنند نے جواب دیا۔

"کیوں نہیں ہو سکتی! سالی ایسی بری تو نہیں ہے۔" نمبر دو بولا۔

"بری یا اچھی کا سوال نہیں، میں اس نیک کام کو ایک میل سے سلام بھیجتا ہوں" آنند نے کہا۔

"اب وقت نہ ضائع کرو، ورنہ کلاس شروع ہو جائیگی۔" نمبر ایک بولا۔

"آج اسی کی صفائی ہونا چاہیئے۔" نمبر چار نے کہا۔

"لیکن یاد رکھو نکلے گا کچھ نہیں ——" آنند نے کہا۔

"خیر یہ ہمارا مقدر ہے۔ چاء کے پیسے تو نکل ہی آئیں گے۔" دونے کہا

"دیر نہ کرو، ہم نگاہ رکھتے ہیں۔ تم جاکر جلدی سے صفائی کرڈالو۔ پیشتر اس کے کہ کوئی آجائے ——"

"او کے ——" آنند نے کہہ کر دائیں بائیں نگاہ دوڑائی "رام بھلی کرے ——" کہہ کر وہ کمرے کے اندر چلا گیا۔

مشکل سے تین منٹ لگے ہوں گے کہ وہ دونوں لڑکیوں کے ڈیسک کی تلاشی لے کر باہر آگیا۔

باہر باقی لڑکے پہرہ دے رہے تھے۔ آنند نے باہر نکلتے ہی، جو کچھ اس کے پاس تھا، اس نے ایک لڑکے کی طرف بڑھادیا۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں، دوسرے سے تیسرے میں ——

زیر لب مسکراتے، سیٹیاں بجاتے اور آپس میں ہنسی مذاق کرتے وہ برآمدے سے ہو کر مخصوص جگہ پر پہنچ کر دائرے کی شکل میں کھڑے ہو گئے

"نکالو، دیکھیں کیا ہے ——" نمبر دو بولا۔

"کہاں گیا ہے پیارے! تم نے مجبور کیا تو میں اٹھالایا ہوں، ورنہ اس چار آنے والے رومال سے نکلے گا کیا۔" آنند نے کہا۔

"اور کچھ نہیں رومال تو ہاتھ آگیا ہے۔" نمبر ایک بولا۔

"ایسے رومال سے تم ہی ناک صاف کرنا ــــ" آنند نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس میں کچھ مال ہے۔" نمبر پانچ نے نمبر تین کو رومال کھولتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"ہو گا گیا، کاغذ ہوں گے ــ" آنند نے کہا۔

"پھر لو لیٹر ہوں گے ــ" نمبر چار نے کہا۔

"ارے اس سے کون LOVE کرے گا ــ" نمبر دو نے کہا۔

"سالے جلدی کھولو! خواہ مخواہ SUSPENSE کیوں پیدا کر رہے ہو ــ" نمبر پانچ نے کہا۔

"کھول تو رہا ہوں ــ" نمبر تین نے کہا۔ "سالی ایسی طاقتور دکھائی تو نہیں دیتی۔ لیکن گرہ کس طاقت سے لگا رکھی ہے۔"

"گرہ سخت ہے یا تمہاری انگلیوں میں طاقت نہیں ہے۔" نمبر ایک نے طنز کیا۔

"اس روز کا تھپڑ بھول گئے ہو سالے ایک گھنٹہ تک نشان رہا تھا ان انگلیوں کا ــــ" نمبر تین نے گرہ کھولتے ہوئے کہا۔

"لاؤ میں کھولوں ــــ" نمبر چار بولا۔

"ارے تم سے کیا کھلے گی ــ" نمبر تین نے تنگ آکر دانتوں کی مدد لی۔

"جلدی کرو ــ" آنند نے کہا۔

"کر رہا ہوں ــ" نمبر تین نے کہا، گرہ اس کے دانتوں میں تھی اس لئے الفاظ صاف ادا نہ کر سکا۔

"ارے پھینکو اس سالے رومال کو ــــ" نمبر پانچ نے بیزار لہجے میں کہا۔ "اگر کچھ نکلا بھی تو راشن کارڈ ہوں گے ــــ"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس سالی کے رومال سے کیا نکلنا ہے۔ آج تک ریشمی لباس پہن کر کالج نہیں آئی۔ کبھی اسے مسکراتے تک نہیں دیکھا۔ اور نظریں زمین پر گاڑ کر چلتی ہے۔ جیسے گرے ہوئے روپے تلاش کر رہی ہو۔ — تم وقت ضائع کر رہے ہو —"

"کھل گئی —" نمبر تین نے رومال دانتوں سے نکال کر کہا۔ اور ڈھیلی گرہ انگلیوں سے کھولنے لگا۔ "سالی نے گرہ تو لگائی تھی۔ لیکن کھلواتی کس سے —؟"

ہر لڑکا اشتیاق آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا شعبدہ ظہور میں آنے والا تھا۔

"گرینڈ —"

"ارے یہ —!"

"گنو کتنے ہیں —" نمبر ایک نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"گنتا ہوں — گنتا ہوں —" نمبر تین نے کہا اور گننے لگا۔

"پیارے آج تو گرینڈ پارٹی اور سینما ہوگا —" نمبر دو بولا۔

"ضرور — ضرور —" نمبر چار نے تائید کی

"چالیس —!" نمبر تین بولا۔

"چالیس —!" دو تین آوازیں یک لخت ابھریں۔

"میرا خیال ہے کالج سے گول ہو جائیں۔" نمبر دو نے تجویز کیا۔

"کیوں مرنے کا ارادہ ہے کیا —" آنند بولا۔ "اگر گول ہو گئے تو اس کا شک یقین میں بدل جائے گا۔ جب وہ کلاس روم سے مدھو کے ساتھ نکلی تھی تو اس نے ہمیں برآمدے میں کھڑے دیکھ لیا تھا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" نمبر تین بولا

"لیکن پیارے آج بچنا مشکل ہے۔ میری مانو یہ رقم یہیں کہیں چھپا دو یا کسی دوسرے کلاس کے لڑکے کو دے دو۔ اتنی بڑی رقم گم ہونے پر وہ خاموش نہیں بیٹھے گی۔ وہ زمین آسمان ایک کر دے گی۔ بات پرنسپل تک پہنچے گی۔ بڑی بات نہیں کہ ہر طالب علم کی تلاشی لی جائے۔" آنند نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، بات پرنسپل تک ضرور پہنچے گی۔ اور آج ساری کسر نکل جائیگی۔ پچیس پچیس روپے سے کم جرمانہ نہ ہوگا۔" نمبر پانچ بولا۔

"اگر مجھ پر ہو گیا تو میری موت ہو جائیگی ـــــ میرے باپ کی کل تنخواہ ایک سو ساٹھ روپے ماہوار ہے، میری مانو تو یہ رقم اسی کو لوٹا دیں۔" آنند نے پریشان ہو کر کہا۔

"تاکہ اگر موت نہیں بھی آنا ہے تو آجائے۔" نمبر تین نے کہا۔

"پھر کیا کیا جائے ـــ"

"سر دست اس رقم کو کہیں چھپا دیتے ہیں۔ جو ہوگا وہ دیکھا جائیگا۔"

"دیکھا جائیگا۔ سالے وہ متوسط طبقہ کی غریب لڑکی ہے۔ چالیس روپے کی یہ رقم نہ معلوم وہ کہاں سے اور کیونکر لائی ہے۔ شاید امتحان کا داخلہ دینا ہو ـــ" آنند نے آہستہ سے کہا۔

"اس مہینے میں اس اکیلی کا داخلہ جائیگا۔"

"امتحان کی نہیں تو کالج کی فیس ہوگی۔ دو تین ماہ کی بقایا ہوگی اس کے نام ـــ یہ مذاق مجھے پسند نہیں۔ ان لڑکیوں کی کتابیں اٹھا کر فروخت کر دیں، جو امیر والدین کی تھیں، مجھے کوئی افسوس نہ ہوا تھا۔ لیکن اس کے چالیس روپے گول ہونے پر بات پرنسپل سے آگے پولیس تک بھی پہنچ

سکتی ہے ۔" آنند نے کہا۔

" بات تو ٹھیک کہتے ہو، لیکن اب کیا کیا جائے ۔" نمبر تین نے کہا

" اب ہمیں کیا خبر تھی۔ کہ آج اس کے رومال میں اتنی بڑی رقم ہوگی۔ ہم نے تو اس لئے کیا تھا کہ دیکھیں یہ اپنے رومال میں کیا رکھتی ہے۔ خیال تھا دو چار آنے ہوں گے۔ انہیں صاف کر دیں گے، اور وہ ناحق پریشان ہوگی ۔"

" میں یہ رقم واپس کر دوں گا۔" آنند نے کہا۔

" پاگل نہ بنو ۔" نمبر ایک بولا " اگر واپس ہی کرنا ہے تو کسی طریقے سے کریں گے ۔ میرا خیال ہے کہ کل جب موقع ملے۔ چپ چاپ اس کے ڈیسک میں رکھ دیں گے ۔"

" لیکن رپورٹ تو ابھی ہوگی ۔"

" رپورٹ کی پرواہ نہ کرو، سردست ہم اس رقم کو کہیں رکھ دیتے ہیں۔ یا لفافے میں بند کر کے کسی کو دے دیتے ہیں۔ تاکہ وہ بھی نہ سمجھ لے کہ اسے کیا دیا گیا ہے ۔ اور کل لوٹا دیں گے ۔ میرا مطلب سمجھ گئے ہو نا! آج ہم میں سے کسی کے پاس یہ رقم نہ ہونی چاہیئے ۔"

" خیر جو کچھ کرنا ہے کر ڈالو ۔" آنند نے کہا۔

" میں کہتا ہوں ابھی کیوں نہیں رکھ دیتے واپس ۔" نمبر پانچ نے کہا۔

" ہاں ۔ ہاں ۔" دو تین نے یک لخت کہا۔"

لیکن اسی لمحہ گھنٹی بج گئی۔

" اب ۔!" آنند نے کہا۔

" تم سب کلاس میں چلو۔ میں دے کر آتا ہوں کسی کو ۔" نمبر تین نے کہا

" سالو! میں کہا کرتا تھا، کہ مذاق مذاق میں کسی روز مصیبت گھر ہی جائے گی

اگر کالج سے نکال دیئے گئے تو گھر سے جوتیاں تو کھانا ہی پڑیں گی، ساتھ ہی تعلیم سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور کالج سے RESTICATE کر دیئے گئے تو عمر بھر کا داغ رہ جائیگا ــــ" آنند نے کہا۔

"میں آج سے بعد کسی شرارت میں حصّہ نہ لوں گا ــــ" نمبر چار نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"میں بھی ــــ" پانچ اور چھ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کلاس سے گول ہو جاؤ ــــ" دو نے کہا۔

"جو ہوگا، شک اسی پر کیا جائیگا ــــ"

"پھر چلو ــــ" نمبر ایک بولا۔

"چلو ــــ"

وہ چھ کے چھ کلاس روم میں چلے گئے۔ نمبر تین ابھی لوٹا نہ تھا۔ حسب دستور لڑکیاں ہمیشہ قطار کے ڈیسکوں پر بیٹھی تھیں۔ ان لڑکوں نے چور نگاہوں سے کیرتی کو دیکھا۔ وہ حسب معمول سر جھکائے بیٹھی تھی۔

وہ کیرتی کے پاس سے گذر کر اپنی نشستوں پر جا بیٹھے ــــ

"شاید ابھی اسے علم نہیں ہوا۔" نمبر ایک نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے، اسے علم ہو گیا ہے، لیکن اس نے جان بوجھ کر ہمیں نہیں دیکھا۔ تاکہ ہم ہوشیار نہ ہو جائیں ــــ" نمبر چار بولا۔

"بھگوان! تم ہی بچانا ــــ" آنند بڑبڑایا

"بھگوان ایکٹر سے کہہ رہے ہو ــــ" نمبر دو نے طنز کیا۔

"بک نہیں ــــ" آنند بولا۔

نمبر تین آکر ان کے پاس بیٹھ گیا ــــ

"وے آئے ــــ" آنند نے دبی زبان میں پوچھا۔

"ہاں ــــ"

پروفیسر داخل ہوا تو تمام طلبا کھڑے ہو گئے۔ پروفیسر نے کرسی پر بیٹھتے ہی کہا۔ "سیٹ۔"

تمام کلاس بیٹھ گئی، اور پروفیسر رجسٹر کھول رہا تھا۔

"وہاں دیکھو ــــ" نمبر دو نے آنند کے کہنی ماری

آنند نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ کیرتی کھڑی تھی۔

"مر گئے ــــ!" آنند نے مردہ آواز میں کہا۔

"یس ــــ!" پروفیسر نے کیرتی کو دیکھ کر پوچھا۔

"جی ــــ جی کچھ نہیں ــــ" کیرتی نے کہا اور بیٹھ گئی۔

"بچ گئے ــــ!" آنند نے کہا۔ اور دل ہی دل میں خدا کو یاد کرنے لگا۔

"حاضری کے بعد رپورٹ کرے گی ــــ" نمبر دو نے کہا۔

اس بار آنند خاموش رہا۔

حاضری ختم ہوئی تو پروفیسر نے لیکچر شروع کر دیا۔

"ابھی تک خیریت ہے۔" آنند نے کہا۔

"شاید تھوڑی دیر میں بتائے۔" نمبر دو نے کہا۔

جب تک گھنٹی کی آواز نے اعلان نہ کر دیا کہ پیریڈ ختم ہو گیا ہے۔ آنند کی حالت غیر رہی۔

پیریڈ ختم ہوا۔ لیکن پریشانی ختم نہ ہوئی۔ اب وہ اس خیال سے پریشان تھے، کہ کیرتی انگریزی پڑھانے والے پروفیسر سے رپورٹ کرے گی، کیونکہ وہ بہت سخت آدمی تھے۔

لیکن اس کا پیریڈ بھی گذر گیا ــــ حتیٰ کہ وہ دن ہی گذر گیا۔

وہ اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ تمام کلاس خالی ہو جائے۔ خصوصاً لڑکیاں نکل جائیں۔ تو وہ کلاس سے باہر نکلیں۔ کیرتی چلی گئی تو نمبر تین بولا۔

"کچھ آج سینما اور گرینڈ پارٹی ہو گی۔"

"جہنم میں گئی پارٹی، اور آگ لگے سینما کو۔" آنند نے چلا کر کہا۔ "تم جا کر روپے لاؤ۔ میں اسے لوٹا دوں گا۔!"

"اب کیوں ڈرتے ہو پیارے! اب کیا شکایت کرے گی۔"

"کیوں نہ کرے گی۔"

"اس لئے کہ یہ پیسے وہ گھر سے چرا کر لاتی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے شکایت نہیں کی۔ ورنہ اتنی بڑی رقم کھو کر کوئی خاموش بیٹھ سکتا ہے۔" نمبر تین نے دلیل پیش کی۔

"ہو سکتا ہے، اسے پتہ ہی نہ چلا ہو۔" نمبر ایک بولا

"کیا بات کرتے ہو، جیسے وہ کچھ پتی کی بیٹی ہے۔ اور چالیس روپے اس کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتے۔" نمبر تین بولا۔

"کچھ بھی ہو! لیکن میں یہ روپے واپس کر رہا ہوں۔ شرارت دو چار آنے یا ایک آدھ روپے کی ہو سکتی ہے۔ مذاق مذاق میں کسی لڑکی کی کتاب اٹھا کر فروخت کر دو۔ لیکن چالیس روپے کی رقم اڑانا مذاق یا شرارت نہیں ہے۔ بلکہ چوری ہے ــــ" آنند نے کہا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔" نمبر تین نے کمزور لہجے میں کہا۔

"آنند ٹھیک کہتا ہے۔ یہ شرارت نہیں، چوری ہے۔" نمبر چار نے کہا۔

رائیں تقسیم ہو گئیں۔ آخر میں نمبر تین ایک طرف تھا اور باقی آنند سے

متفق تھے۔ ان حالات کے پیش نظر نمبر تین کو رقم لانا پڑی۔

"لیکن اب تو وہ جا چکی ہو گی۔" نمبر تین نے حسرت آمیز لہجے میں رقم لوٹاتے ہوئے کہا۔

"میں اسے کل دے دوں گا۔ لیکن میرا خیال ہے، وہ اس وقت لائبریری میں ہو گی۔ میں نے کئی بار اسے کالج ختم ہونے کے بعد لائبریری کی طرف جاتے دیکھا ہے۔" آنند نے کہا۔

"خیر دیکھ لو جا کر۔" نمبر دو بولا۔ "ہم جا رہے ہیں۔"

"جاؤ۔" آنند نے کہا اور لائبریری کی طرف چل دیا۔

اس کا قیافہ صحیح نکلا۔ کیرتی لائبریری میں تھی۔ اور بڑی بڑی الماریوں میں کتاب تلاش کر رہی تھی۔ آنند اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر کسی کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

آنند جا کر اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ لیکن کیرتی کو پتہ ہی نہ چلا۔ وہ مطالعہ میں کھوئی رہی۔

آنند نے اس کی توجہ منتقل کرنے کے لئے زور سے کھانسا۔

کیرتی کو نگاہیں اٹھا کر دیکھنا پڑا۔

"میں۔ میں۔ آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" آنند نے گھبراہٹ آمیز لہجہ میں کہا۔

کیرتی کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی۔ اس نے ایک نظر آنند کو دیکھا پھر نگاہیں جھکا لیں۔

"آپ۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔" آنند نے پریشان لہجے میں کہا۔

"نہیں ــــ!" کیرتی نے گہرا سانس لے کر آنکھیں صاف کر ڈالیں۔

"لیکن یہ آنسو؟ آپ رو رہی ہیں ــ" آنند نے ہمدردانہ الفاظ میں کہا اس کا اپنا دل بھی بھر آیا۔ یقینی بات تھی کہ کیرتی اس رقم کے گم ہونے پر آنسو بہا رہی تھی۔ اور پریشانی سے نجات پانے کے لئے وہ گھر جانے کی جگہ یہاں آ گئی تھی۔ وہ خوف کی وجہ سے گھر نہ جا رہی تھی۔

"یہ ــــ!" کیرتی نے ٹھنڈا سانس لے کر کتاب پر نگاہ ڈالی۔ اس کتاب کو پڑھ رہی تھی۔ اور دل بھر آیا ــ"

"کتاب پڑھ کر ــ؟" آنند نے تعجب سے پوچھا۔

"جی ہاں ــ"

"میں ــــ میں کچھ اور سمجھا تھا ــ" آنند نے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے کیرتی کی چال میں تمکنت اور وقار دیکھا تھا۔ ایک ٹھہراؤ اور سنجیدگی پائی تھی۔ اب اس سے بات کی تو تحمل اور تناؤ پایا۔ وہ حیران تھا کہ کیرتی اس کم عمری میں اتنی پر وقار کیوں تھی۔ بات کرتے وقت اس کی نگاہیں ناچ نہ رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ پھڑک نہ رہے تھے۔ وہ عام عورتوں اور لڑکیوں کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر بات نہ کر رہی تھی۔ اس کی باتوں میں اختصار اور اعتماد تھا۔ لباس وہ ہمیشہ سادہ پہن کر آتی تھی۔

"آپ کیا سمجھے تھے ــ" کیرتی نے سوال کیا۔

"مس کیرتی! کیا ناول پڑھنے سے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں ــ" آنند کے لہجے میں تعجب تھا۔

"کیوں نہیں ــ" کیرتی نے کتاب کا سرورق دیکھتے ہوئے کہا ــ "شرت کے ناول بہت جذباتی ہوتے ہیں۔ اور مجھے پسند ہیں ــ"

"ان میں کیا خاص بات ہوتی ہے ۔"

"خاص بات ۔" کیرتی زیرِ لب مسکرائی ۔" یہ میں بھی نہیں جانتی ہوں۔ شاید مجھے اس لئے پسند ہیں کہ ان میں مجبور انسانوں کی داستان ہوتی ہے ۔ غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کی کہانیاں ۔"

"میں نے آج تک کوئی ناول نہیں پڑھا۔ مجھے بھی بتائیے۔ میں بھی کوئی پڑھنا چاہتا ہوں ۔"

"کوئی سا لے لیجئے ۔!"

"پھر بھی ۔!"

"اچھا یہ لے لیجئے ۔" کیرتی نے ایک ناول بڑھا دیا۔

"لیکن آج میرے پاس کارڈ نہیں ہے ۔" آنند نے کتاب لے کر کہا۔

"کوئی بات نہیں ! میں اپنے کارڈ پر دو کتابیں ایشو کرا لوں گی ۔" یہ کہہ کر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی ۔" اوہو! بڑی دیر ہو گئی۔ مجھے گھر جانا ہے ۔"

"آیئے چلیں ۔"

کتابیں ایشو کرا کے جب وہ لائبریری سے باہر آئے تو کالج تقریباً ویران تھا۔ وہ ساتھ ساتھ گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے تھے مجھ سے ۔"

"او ہاں !" آنند نے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔" میں پوچھنا چاہتا تھا۔ آپ کی کوئی شے تو نہیں گم ہو گئی ہے ۔"

"میری شے ۔!" کیرتی کے لہجے میں تعجب تھا۔

"جی ہاں ! کیا آپ کی کوئی شے تو گم نہیں ہوئی ۔" آنند کو اس کے لہجہ

پہ شک گذرا۔ نہیں وہ رومال دوسری لڑکی کا تو نہ تھا۔

"میں نہیں جانتی! کب گم ہوئی تھی ۔۔۔"

"آج دن ہیں ۔۔"

"کیا ہے ۔ ؟"

"حد ہے ۔ چیز آپ کی گم ہوئی ہے ۔ اور پوچھ مجھ سے رہی ہیں آپ ۔" آنند کے لئے کیرتی ایک پہیلی بن گئی۔

"آپ جب یہ جانتے ہیں کہ چیز میری ہے۔ تو خود ہی بتا دیجئے کہ کیا ہے۔"

"یہ رومال آپ کا ہے ۔۔" آنند نے خالی رومال دکھایا۔

"یہ رومال ۔۔ !" کیرتی نے رومال الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"کیا آپ کا نہیں ۔۔ ؟"

"شاید میرا ہی ہے۔ "

"شاید یا یقیناً ۔۔ "

"کچھ سمجھ لیجئے ۔۔ "

"حد ہے، آپ اپنا رومال بھی پہچان نہیں سکتی ہیں ۔"

"چلئے میں مان لیتی ہوں، کہ یہ رومال میرا ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کو کہاں سے ملا ہے۔ "

"آپ کے ڈیسک کے نیچے پڑا تھا۔"

"میرے ڈیسک کے نیچے پڑا تھا ۔" کیرتی زیر لب مسکرا دی۔ آنند یہ مسکراہٹ نہ دیکھ سکا۔

"جی ہاں ۔ !"

"شکریہ! آپ کو اس معمولی سے رومال کے لیے زحمت اٹھانا پڑی ۔"

"نہیں نہیں! یہ تو میرا فرض تھا۔"

"فرض ـــ، کیرتی زیر لب مسکرائی۔" اس زمانے میں کتنے لوگ ہیں جو آپ کی طرح فرض کو پہچانتے ہیں ـــ اور بنھاتے ہیں۔"

"جی ـــ!" آنند کو محسوس ہوا کہ کیرتی نے اس کی چوری پکڑ لی تھی۔ اور اب اس کے حلق میں کچھ پھنس گیا تھا۔

آٹھ دس قدم وہ خاموش رہ کر چلتے رہے۔ آنند کا ضمیر بلبلا رہا تھا وہ جانتا تھا کہ کیرتی اس کو اخلاقی چوٹ لگائے گی۔

اس رومال میں کچھ تھا تو نہیں ـــ؟"

"کوئی خاص چیز تو نہیں تھی۔"

"کیا یہ خالی تھا ـــ؟"

"نہیں ـــ"

"پھر کیا تھا اس میں ـــ" آنند اس کی باتوں سے الجھن محسوس کر رہا تھا

"شاید کچھ پیسے تھے ـــ"

"کچھ پیسے یا نوٹ ـــ؟"

"ایک ہی بات ہے ـــ"

"کتنے روپے تھے ـــ"

"یاد نہیں ـــ!"

"آپ کو واقعی یاد نہیں ـــ؟"

"آخر آپ اس قسم کے سوالات کیوں کرتے جا رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اس میں کیا تھا ـــ"

"لیکن۔ لیکن ...."

"لیکن یہ رومال آپ کو خالی حالت میں ملا تھا" یہی کہنا چاہتے ہیں آپ" اب زمین پھٹی نہیں، ورنہ آنند اس میں سما جاتا۔

"کیرتی ـــ"

"ہوں ـــ!"

"میں۔ میں ـــ بے حد شرمندہ ہوں۔ میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن آپ جانتی ہی ہیں۔ کہ جب چند دوست جمع ہو جاتے ہیں۔ تو انہیں شرارتیں سوجھتی ہیں ـــ"

"کیوں نہیں! آخر بوڑھے لوگ شرارتیں نہیں کر سکتے ـــ"

"لیکن تم نے پروفیسر سے رپورٹ کیوں نہ کی ـــ" آنند آپ سے تم پر اتر آیا ـــ!

"تاکہ تمہیں جرمانہ نہ ہو جائے۔" کیرتی نے بھی تکلف کی دیوار ختم کر دی۔

"اور تم جانتی تھیں کہ یہ شرارت میں نے کی ہے۔"

"ہاں ـــ!"

"کیسے ـــ؟"

"تم اس گروپ کے رنگ لیڈر ہو ـــ"

"اس کے باوجود تم نے شکایت نہ کی ـــ"

"تم نے ہر لڑکی سے شرارت کی ہے۔ کسی کی کتاب صاف کی۔ کسی کا پین کسی کے پیسے ـــ ایک غریب کا دوپٹہ ہی صاف کر ڈالا تھا تم نے ـــ میں نے اس لئے شکایت نہ کی کہ کالج کے اخراجات شاید اسی طرح پورے کرتے ہو تم ـــ"

"کیرتی......"

"اور تمہاری ہر بار شکایت کی گئی۔ لیکن تم آج تک موقع پر نہیں پکڑے گئے محض شک کی بنا پر یا کالج کی کرسیاں اور ڈیسک توڑنے پر جرمانے ہوتے ہیں — لڑکیوں کی چیزیں اڑانے پر نہیں — ان حالات کے پیش رو شکایت سے کیا حاصل ہوتا۔ رقم تو ملنے سے رہی۔ البتہ تمہیں جرمانہ ہو جاتا۔"

آنند رک گیا۔ کیرتی کو بھی رکنا پڑا۔ آنند نے اس کا سر تا پا جائزہ لیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالے۔

"کیرتی مجھے معاف کر دو، میں قسم کھاتا ہوں کہ آج کے بعد اس قسم کی شرارت نہ کروں گا۔"

"بس۔!" کیرتی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن مجھے تو تمہاری شرارتیں بے حد پسند تھیں۔ میں سوچا کرتی تھی کہ میرا نمبر کب آئے گا۔"

"نہیں کیرتی! یہ رقم لے لو، میں نے کہا ہے کہ آئندہ اس قسم کی شرارت نہ کروں گا۔ تمہاری قسم۔"

"میری قسم — کیوں —"

"یہ نہ پوچھو! کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے، کہ شرم سے میری آنکھیں نہیں اٹھ رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں میرے دل میں تمہاری کتنی عزت بن گئی ہے۔ اور مجھے کتنی عقیدت ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو یہ رقم رکھ لو۔"

"یہ — یہ — رکھ لوں —" آنند نے لکنت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں! تمہیں اس کی ضرورت ہوگی۔"

"نہیں کیرتی! مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ میں نے انہیں ضرورت کیلئے نہیں اڑایا تھا۔ بلکہ شرارت سے صاف کیا تھا۔"

"تو شرارت کی خاطر رکھ لو۔"

"نہیں! اب نہیں ——" آنند نے کیرتی کا ہاتھ پکڑ کر نوٹ تھما دیئے۔

کیرتی نے اس کی اس جرأت کا برا نہ مانا۔ اس وقت آنند کے دل میں میل نہ تھا۔ بلکہ ندامت اور شرمندگی تھی۔ کیرتی نے ہاتھ چھڑا کر کتاب کھول کر اس میں نوٹ رکھ دیئے۔

"گن تو لئے ہوتے ——"

"میں جانتی ہوں تم نے کم نہیں دیئے۔" کہہ کر کیرتی چل پڑی۔ آنند بھی ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کالج سے نکل کر وہ بڑی سڑک پر چل رہے تھے۔ سڑک ویران تھی۔ اگر آباد بھی ہوتی تو اس شہر میں راہ گیر، جوان لڑکے اور لڑکی کو ساتھ دیکھ کر پرواہ نہ کرتے تھے۔ خواہ وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چل رہے ہوں ——!

"کیرتی ایک بات بتاؤ! اگرچہ ایسی بات پوچھنا بداخلاقی ہے۔"

"پوچھو ——"

"کیا تم امیر ہو ——"

"یہ سوال عجیب ضرور ہے، لیکن میں اسے بداخلاقی نہیں کہوں گی۔"

"لیکن تم نے جواب نہیں دیا ——"

"نہیں جانتی کہ کیا جواب دوں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے کہا تھا کہ سوال عجیب ہے۔ پہلے تم بتاؤ امیری کسے کہتے ہیں۔"

"دولت ——!"

"دولت بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مصور کی دولت اس کی کلا ہے ایک ادیب کی دولت اس کا ادب ہے۔ ایک غریب کی دولت اس کا

خلوص ہوتا ہے۔ اور ایک امیر اپنے بنک بیلنس کو دولت سمجھتا ہے۔ میرے پاس ان میں سے کوئی دولت نہیں ہے۔"

"پھر چالیس روپے کی رقم گم ہونے پر تمہیں افسوس کیوں نہیں ہوا۔"

"چالیس روپے ـــ ہوں۔" کیرتی نے گہرا سانس لیا۔ "اس کا مطلب ہے تم بھی روپے کے پجاری ہو۔ اور اسے ہی دولت سمجھتے ہو ـــ"

"کیوں نہیں! آخر میں بھی انسان ہوں۔ گوشت۔ پوست کا انسان جو دل و دماغ رکھتا ہے۔ اور جو محرومیوں میں پل کر جوان ہوا ہے۔ میں تو بنک بیلنس کو ہی دولت سمجھتا ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ میرے پاس بہت سے روپے ہوں۔ بڑا سا فلیٹ ہو ـــ کار ـــ نوکر ـــ صوفے۔ ـــ فریجر ـــ"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن یہ بتاؤ کہ صرف پیسے۔ اسے کر لینے سے تم اتنی دولت کیسے حاصل کر لو گے۔؟"

"یہ میں نہیں جانتا ہوں۔ لیکن میں دولت مند بننا چاہتا ہوں۔ کیا تم نہیں چاہتی ہو، کہ امیر اور دولت مند بن جاؤ ـــ"

"نہیں ـــ!"

"نہیں ـــ" آنند نے چلا کر کہا ـــ "تم چاہتی ہو کہ ساری عمر اسی قسم کے سادہ اور معمولی کپڑے پہنتی رہو۔ اور معمولی زندگی گذارو ـــ"

"ہاں ـــ"

"تعلیم پانے کے باوجود ـــ"

"تعلیم تو اس لئے حاصل کرتی ہوں، تاکہ چھوٹی موٹی ملازمت کرنے کے اہل ہو جاؤں ـــ"

"اور والدین کو سہارا دے سکو۔"

"ایسا ہی سمجھ لو۔"

"تم رہتی کہاں ہو۔؟"

"رہنا کیا ہے۔" کیرتی نے ٹھنڈا سانس لیا۔" چھوٹی سی کھولی ہے۔ جہاں زندگی کے دن گذار رہی ہوں۔"

"ٹھیک کہتی ہو کیرتی۔ متوسط طبقہ اس کوشش میں زندگی گذار رہا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔" آنند نے بھرائی آواز میں کہا۔" کیرتی تمہارے ڈیڈی کیا کام کرتے ہیں۔"

"پتاجی۔!" کیرتی نے تصحیح کی۔" معمولی سی ملازمت کرتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں یہ رقم گم ہونے سے وہ ناراض ہوتے۔"

"ہاں ہوتے تو سہی۔"

"پھر بھی تم نے رپورٹ نہیں کی۔"

"جو چیز کھو جاتی ہے۔ وہ قسمت ہی سے واپس ملتی ہے۔ رپورٹ کرنے یا شور مچانے سے نہیں ملتی۔"

"تم بڑی عجیب لڑکی ہو۔"

"کس لحاظ سے۔"

"کئی لحاظ سے۔ تم دولت مند نہیں بننا چاہتی ہو۔ جب کہ تم متوسط طبقہ کی لڑکی ہو۔ سادہ لباس پہنتی ہو۔ جبکہ بازار قیمتی اور زرق برق کپڑوں سے بھرے ہیں۔ اور تم اس عمر میں ہی، ارمانوں اور خواہشات کو دفنا چکی ہو۔ اور۔ اور۔"

"یہ نظریہ کی بات ہے۔" کیرتی نے آہستہ سے کہا۔

"نظریئے کی بات ہی سہی! اچھا یہ بتاؤ تم شہرت کے ناولوں میں سکون کیوں پاتی ہو۔ جب میں تم سے لائبریری میں ملا تھا۔ تو تم ناول پڑھ رہی تھیں۔ اور تمہاری آنکھوں میں آنسو تھے۔ جانتی ہو تمہیں یہ ناول کیوں پسند ہیں اور تم نے مجھ سے بھی پڑھنے کے لئے کیوں کہا ہے۔"

"کیوں ــــ؟"

اس لئے کہ نفسیاتی طور اپنے دکھ اور غم کو اس دنیا میں ہلکا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اپنے سے زیادہ دکھی غمگین انسان سے ملو۔ یا اس کی داستان پڑھو۔ تم دکھی ہو لیکن تسلیم نہیں کرتی ہو ــــ تم نے اپنے دکھ کا مداوا ان ناولوں میں تلاش کر لیا ہے ــــ"

"میرا خیال ہے، دو برس میں یہ پہلا موقع ہے کہ ہم نے اتنی باتیں کی ہیں۔ لیکن یوں دکھائی پڑتا ہے، جیسے تم میرے متعلق بہت کچھ جانتے ہو۔ خیر! آج گھر جا کر اگر وقت ملے تو یہ ناول پڑھ ڈالنا۔ کل کالج میں بات کروں گی میں ــــ" کہہ کر کیرتی رک گئی۔

"تم یہاں قریب ہی رہتی ہو ــــ"

"ہاں ــــ"

"اچھا ــــ گڈ بائی ــــ"

"گڈ نائٹ ــــ" کیرتی نے تصحیح کی۔ اور جلدی

کیرتی جا رہی تھی۔ آنند سڑک کے ناکے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ سادہ لباس پہننے والی، کم گو ــــ نیچی نگاہیں رکھنے والی ــــ برف کی طرح سرد ــــ!

حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ آنند اسے دیکھتا رہا۔ لیکن کیرتی نے مڑ کر نہ دیکھا۔ پھر وہ گہرا سانس لے کر گھر روانہ ہو گیا تھا۔

آنند کے ذہن کی دھندلاہٹ یک لخت ختم ہوگئی۔ سڑک ویران ہوچکی تھی۔ کالج خالی ہو چکا تھا۔

یہ سب باتیں چودہ برس پرانی تھیں۔ چودہ برس پرانی ۔ یہی کالج تھا اسی طرح وہ بھی ہنستا ہوا باہر نکلا کرتا تھا۔ لیکن آج چودہ برس بعد ہر شے خلاء بن کر رہ گئی تھی۔

وہ گیٹ کے پاس کھڑا تھا۔ تنہا۔ تنہا۔

اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ چار بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔

گہرا سانس لے کر اس نے کالج کی عمارت پر نگاہ ڈالی۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اور بلند عمارت کو دیکھتا ہوا وہ اندر چلا گیا۔

سولہ برس پہلے وہ تیز قدموں سے۔ اچھلتا۔ کودتا۔ فقرے چست کرتا۔ دوستوں کو سلام کرتا۔ جواب لیتا۔ کلاس روم کی طرف جایا کرتا تھا۔

لیکن آج اس کے پاؤں اتنے بھاری ہوگئے تھے کہ اس سے قدم نہ اٹھ رہے تھے۔ جیسے وہ میلوں کی مسافت پیدل طے کر کے آیا تھا۔ اور پاؤں میں چلنے کی مزید سکت نہ رہی تھی۔

وہ کتنا تھک گیا تھا۔

سولہ برس پہلے وہ کالج میں داخل ہوا تھا۔ تین برس وہ کالج میں پڑھتا رہا۔ لیکن وہ زمانہ تاریخ کا ورق بن کر رہ گیا تھا۔

حکمراں، جرنیل اور سیاست داں جو غلطیاں کرتے ہیں، وہ غلطیاں تاریخ کے صفحات پر جگہ پاتی ہیں۔ تاریخ کے صفحات پر صرف ان لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ جو زندگی بھر دوسروں کو اپنی غلطیوں کا شکار کرتے رہتے ہیں ـــــ تاریخ کے اوراق پر انسانوں کے نام کبھی نہیں آتے۔

اندر دو تو محض ایک انسان تھا ـــــ صرف ایک انسان ـــــ پھر اس کا ماضی تاریخ کا ورق کیسے بن سکتا تھا۔ اس نے تو ایسی کوئی غلطی نہ کی تھی، جس کی سزا دوسروں کو ملی ہو۔

بوجھل قدموں کو اٹھاتا ہوا وہ عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک ایک کمرے کے آگے سے گذرنے لگا۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر پہنچ گیا۔ دوسری منزل پر واقع ہر کمرے کے آگے سے گذرا۔

پھر تیسری منزل پر واقع اس کمرے میں چلا گیا۔ جو ایک برس تک اس کا کلاس روم رہا تھا۔

کلاس روم کے اندر جا کر اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

وہی ڈیسک تھے۔ وہی بلیک بورڈ ـــــ لیکچرار کی وہی کرسی۔ کونے میں وہی الماری پڑی تھی۔

بظاہر کچھ نہ بدلا تھا۔ لیکن ان چودہ برسوں میں تغیر آچکا تھا۔ ناقابل برداشت تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ جو دکھائی نہ دیتی تھی۔

ان ڈیسکوں کی چمک کم ہو گئی تھی۔

سولہ برس پیشتر جب وہ کالج میں داخل ہوا تھا، ان دنوں یہ ڈیسک

نئے آئے تھے۔ ان کا پالش تازہ تھا۔ اب وہ پالش ختم ہوگیا تھا۔ اور اس کی جگہ پینٹ نے لے لی تھی۔ وہ پالش اس پینٹ کے نیچے دب گیا تھا۔ جس طرح ان تیرہ برسوں نے اس کا پالش اتار ڈالا تھا۔ اور پینٹ کی دبیز تہ چڑھا دی تھی۔ اور پینٹ کئی قسم کا ہوتا ہے۔

چودہ برس پیشتر جب اس کی کیرتی سے واقفیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ انیس برس کا نوجوان تھا۔ اس کا جسم، اس کی شکل اور اس کے ارمان پالش کی طرح نئے تھے اور چمک رہے تھے۔ اور آج وہ تینتیس برس کا تھا۔ جس کی شکل جسم اور ارمانوں پر پینٹ موٹی طے چڑھ گئی تھی۔

ان تیرہ برسوں میں نہ معلوم کتنے لڑکے اور لڑکیاں ان ڈیسکوں پر بیٹھ بیٹھ کر ڈگریاں لے کر چلے گئے ہوں گے۔ لیکن یہ ڈیسک قائم تھے ـــــ صرف رنگ بدل گیا تھا۔ چند ڈیسکوں کی مرمت بھی کی گئی تھی۔ وہ مرمت صاف دکھائی دیتی تھی۔

ہاں! اس نے سوچا۔

انسان کی زندگی بھی بعض اوقات مرمت طلب ہو جاتی ہے۔ اور اس میں پیوند لگانا پڑتا ہے۔ اور یہ پیوند نمایاں ہو کر دیکھنے والی ہر نگاہ کا نشانہ بنتے ہیں۔ کاریگر نے یہ پیوند کتنی ہی صفائی سے کیوں نہ لگایا ہو۔ لیکن پیوند تو پیوند ہی رہتا ہے۔ وہ اصل کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

وہ اس ڈیسک پر جا بیٹھا۔ جہاں وہ ایک برس بیٹھا رہا تھا۔ اس نے اس ڈیسک کو بھی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا جہاں کیرتی بیٹھا کرتی تھی۔

اس روز اس نے کیرتی کی قسم کیوں کھائی تھی۔ کہ وہ آئندہ ایسی شرارت نہ کرے گا۔

اس قسم کے بعد اس نے دوستوں سے احتراز شروع کر دیا۔ انہوں نے اس پر فقرے چست کئے۔ اسے بزدل، کالی بھیڑ۔ ڈرپوک اور نہ معلوم کیا کچھ کہا۔ لیکن اس نے ان کی شرارتوں میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔

ان ڈیسکوں میں سے متعدد ڈیسک اس نے توڑے تھے۔ اس شرارت پر اسے کئی بار جرمانہ ہوا تھا۔ یہ جرمانہ ادا کرنے کے لئے وہ لڑکیوں کی کتابیں صاف کر کے فروخت کر دیتا تھا۔

اگلے روز جب کیرتی کلاس روم آئی تو لیکچر شروع ہو چکا تھا۔ وہ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئی۔ کیرتی نے گردن گھما کر پیریڈ کے دوران اسے دو بار دیکھا تھا۔

پیریڈ ختم ہوا تو کلاس روم طلباء سے خالی ہو گیا۔ لیکن وہ بیٹھا رہا تھا ادھر کیرتی اپنی جگہ بیٹھی تھی۔ جب کلاس روم میں صرف وہ دونوں رہ گئے تو وہ اٹھ کر کیرتی کے پاس چلا گیا۔

کیرتی بینچ پر بیٹھی تھی۔ وہ اس کے ڈیسک پر بیٹھ گیا۔

"کیسی ہو۔"

"ٹھیک ہوں۔"

"خوب! میں نے ناول پڑھ لیا ہے۔"

"کیا رہا۔"

"بہت خوب! میں نہیں جانتا تھا کہ ناول بھی پڑھے جاتے ہیں۔"

کیرتی مسکرائی "آج کوئی شرارت نہیں کی تم نے۔"

"نہیں! آنند نے مسکرا کر کہا۔" میں نے کل تمہاری قسم جو کھائی تھی۔"

"اور تمہارے دوست اس تبدیلی پر کیا کہتے ہیں۔"

"بزدل ـــ ڈرپوک ـــ BLACK SHEEP ـــ"

پھر کیرتی اس ناول کے متعلق باتیں کرنے لگی۔ فلاں کردار کیسا ہے۔ پلاٹ کیسا ہے۔ انجام کیسا ہے ـــ یہ کیسا ہے وہ کیسا ہے۔

آہستہ آہستہ اس قسم کی بحث ان کا معمول بن گئی۔ کیرتی اس کے لئے ناول منتخب کرتی۔ وہ ناول گھر لے جاتا۔ اور پڑھنے کے بعد ناول پر بحث کرتے

ایک بار کیرتی کالج سے دو روز غیر حاضر رہی۔ وہ بے حد پریشان رہا۔ وہ اس کا گھر نہ جانتا تھا، ورنہ خیر و عافیت کے لئے جاتا۔

تیسرے روز وہ آئی تو کلاس شروع ہو چکی تھی۔ کیرتی نے اسے، اور اس نے کیرتی کو دیکھا۔ نظروں کے تصادم نے پیغام کا تبادلہ کر دیا ـــ اور پھر وہ پیریڈ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ پیریڈ ختم ہوا۔ تو وہ اٹھ کر سرعت سے اس کے پاس پہنچا۔ اگلے دو منٹ میں کلاس روم خالی ہو گیا۔ صرف وہ دونوں رہ گئے

"تم دو دن کہاں رہیں ـــ" آنند نے پوچھا۔

"طبیعت خراب تھی ـــ" کیرتی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"بخار تھا ـــ؟"

"نہیں ـــ"

"زکام ـــ!"

"نہیں ـــ!"

"تمہارا چہرہ تو ٹھیک ہے، ایسا دکھائی بھی نہیں پڑتا کہ تم بیمار رہی ہو، آخر تمہیں کیا تکلیف تھی۔" آنند نے بچے کی طرح ضد کی۔

"بس یوں ہی بیمار تھی ـــ"

"بخار نہیں تھا تو بیمار کیسے تھیں — ؟"

"اف ہو!" کیرتی نے جھلا کر کہا۔ "تم تو بال کی کھال اتارتے ہو۔ سر درد تھا مجھے — اب کوئی اور بات کرو —"

"کیرتی تم پرسوں نہیں آئیں، تو میں دن بھر تمہاری راہ تکتا رہا۔ شام کو گھر پہنچا تو تم بار بار یاد آئیں۔ کل سارا دن یاد آتی رہیں۔ اور جب بھی یاد آئیں میرا دل بھر آتا۔ مجھے یاد ہے۔ جب میں بچہ تھا تو ایک بار ننہیال گیا وہاں مجھے ماں باپ، بہن بھائی بہت یاد آئے۔ اور جب یاد آئے تو میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے — اور اب تم دو دن کالج نہیں آئیں تو . . . ."

"تمہارا دل بھر آیا —"

"نہیں کیرتی میں رو بھی پڑا تھا —"

"تم — تم رو پڑے تھے —" کیرتی نے زیر لب مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں —" آنند نے معصومیت سے کہا۔

"کیوں رو پڑے تھے۔ میں تمہاری بہن نہیں ہوں۔ بھائی نہیں ہوں۔ اور پھر تم اسی شہر میں تھے۔ ننہیال بھی نہ گئے تھے —"

"ہاں کیرتی یہی سوال میں نے خود سے بار بار کیا۔ ہم اڑھائی برس سے اکٹھے پڑھ رہے ہیں۔ ایک ہی کلاس میں — تم اس سے پہلے بھی کالج سے غیر حاضر رہی ہو۔ لیکن پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا — نہ معلوم کیا ہو جاتا تھا مجھے۔ میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ میں صرف رویا ہی نہیں — بلکہ کچھ عجیب عجیب سا دکھائی پڑتا تھا۔ جیسے — جیسے کچھ — . . . . نہ معلوم کیا ہو جاتا تھا — میں نہیں جانتا — کیا تم جانتی ہو کہ کیا ہو جاتا ہے —"

"ہوتا تمہارے ساتھ ہے! میں کیا جان سکتی ہوں۔" کیرتی نے

مسکراہٹ چھپانے کے لئے چہرہ جھکا لیا۔

"کیا تمہارے دل کو کچھ نہیں ہوتا۔"

"نہیں، بالکل نہیں ــــ" کیرتی نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ لیکن فوراً جھکا لیا۔ کیونکہ اسے ہنسی دبانا مشکل ہو رہا تھا۔

"عجیب بات ہے تمہیں کچھ نہیں ہوا ــــ پھر مجھے کیوں ہوا ــــ"

"میں کیا جانوں ــــ"

"کیرتی! تم کالج سے غیر حاضر نہ رہا کرو ــــ"

"آئندہ نہ رہوں گی ــــ"

"اگر تمہیں رہنا پڑے تو مجھے اپنے گھر کا پتہ بتا دو۔ تاکہ میں تمہیں مل آیا کروں ــــ"

"اگر میں بیمار ہوئی یا مجھے چھٹی لینا پڑی تو میں تمہیں پہلے سے مطلع کر دیا کروں گی ــــ"

"لیکن تم یہ کیسے جان سکتی ہو کہ تم کب بیمار پڑو گی ــــ"

کیرتی کو جواب دینا مشکل ہو گیا۔ اس نے فوراً کہا۔ "چاء پیو گے۔"

"ہاں! لیکن کالج کی کینٹین میں نہیں ــــ"

"پھر کہاں ــــ؟"

"وہ سامنے ریسٹوران ہے۔ وہاں بیٹھیں گے ــــ"

"چلو ــــ!" کیرتی نے کہا۔

دوسری بار کیرتی کالج سے دو روز کے لئے غیر حاضر ہوئی۔ تو آنند کو مطلع نہ کر سکی تیسرے روز وہ کالج آئی تو برآمدے میں ہی اس کی اور آنند کی ملاقات ہو گئی ــــ!

آنند تیز قدم اٹھا کر اس کے پاس پہنچا۔

"کیرتی ——!"

کیرتی رک گئی۔ اس نے مسکرا کر آنند کو دیکھا۔ کیسے ہو تم ——"

"تم جانتی ہو کہ میں تم سے ناراض ہوں۔ اور میں نے قسم اٹھائی ہے کہ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔"

"او ——" کیرتی نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ "ایسی کیا بات ہے! کیا اس بار بھی تمہارے دل کو کچھ ہوا تھا——"

"ہاں! میں اس بار بھی رویا ہوں۔ تم کالج کیوں نہیں آئیں ——"

کیرتی گھر سے سوچ کر آئی تھی، کہ وہ کہدے گی کہ ایک عزیز کی شادی میں شریک ہونے گئی تھی۔ لیکن اس کے منہ سے سچ نکل گیا—— آنند سوال کرنے لگا تھا، کہ گھنٹی بج گئی۔

"آؤ! پیریڈ شروع ہو گیا ہے۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"پیریڈ ختم ہونے کے بعد دوں گی ——"

"لیکن میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہارے ساتھ نہ بولوں گا—— کبھی بھی —— بالکل نہیں ——"

"اچھا تم نہ بات کرنا! میں خود ہی جواب دے دوں گی——" کیرتی نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے ——"

پیریڈ کے دوران کیرتی نے جب بھی آنند کو دیکھا۔ اسے ٹکٹکی لگائے دیکھتے پایا—— واقعی آنند نے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی—— کیرتی

ہر بار یہ بات سوچ کر مسکرا دی۔ آنند نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس نے آئندہ نہ دیکھنے کی قسم تھوڑا ہی کھائی تھی۔

پیریڈ ختم ہوا تو کلاس روم خالی ہو گیا۔ حسب معمول وہ اور کیرتی کلاس روم میں رہ گئے۔ وہ اٹھ کر کیرتی کے پاس چلا گیا۔

"تو تم جواب دے رہی ہو نا —" آنند نے ڈیسک پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جواب تو ضرور دوں گی۔ لیکن پہلے اپنی قسم واپس لے لو۔"

"کیوں لے لوں —"

"دیکھو آنند! چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھا نہیں کرتے۔ اب تم بچے تو ہو نہیں! خیر سے تمہارے چہرے پر داڑھی آ رہی ہے۔" کیرتی نے یوں کہا کہ جیسے آنند واقعی روٹھ گیا تھا۔

"لیکن تم نے پچھلی بار وعدہ کیا تھا، کہ اگر تم نے چھٹی لی، تو مجھے اپنے گھر کا پتہ بتا دو گی —"

"اگر تمہیں اپنے گھر کا پتہ بتا دوں تو پھر تو نہ روٹھو گے —"

"نہیں —"

"لیکن تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"کیا —؟"

"میرے گھر کا پتہ اور میرے گھر کے متعلق تم کسی کو نہ بتاؤ گے —"

"تم خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہو۔ کبھی میری کھولی آ کر دیکھو۔ ہم کس طرح رہتے ہیں —"

"میں سمجھتی ہوں! لیکن تم وعدہ کرو —"

"میں قسم کھاتا ہوں —"

اور کیرتی نے اسے گھر کا پتہ بتا دیا۔

"اب تو ناراض نہیں ہو — !"

"نہیں — !"

"اب بولا کرو گے مجھ سے —"

"ہاں — !" آنند نے یوں کہا جیسے برسوں سے کلام ترک کر رکھا تھا۔

"بڑے اچھے ہو تم —" کیرتی اس کی سادگی پر مسکرا دی۔

"کیرتی! کیا اس بار تمہیں رونا آیا تھا — ؟"

"نہیں! بالکل نہیں —" کیرتی نے اسے دیکھا۔ لیکن فوراً ہی نگاہیں جھکا لیں۔ کیونکہ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ اور وہ ان آنسوؤں کو دکھانا نہ چاہتی تھی —

" پھر میری آنکھوں میں کیوں آجاتے ہیں — شاید کمزور ہو گئی ہیں کسی ڈاکٹر کو دکھاؤں گا —"

کیرتی کا دل زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑانے لگا — اس کی روح کلبلا رہی تھی۔ اس کے اندر ایک آندھی چل رہی تھی۔ اور وہ پریشان تھی کہ اس پھڑ پھڑاہٹ کو کیسے سنبھالے۔ اس کلبلاہٹ کو کیونکر تسکین دے اس آندھی کو کس طرح دبائے — جو اس کے اندر اٹھ رہی تھی —

آج تک اس کی شرارتیں بھاتی تھیں۔ لیکن اب اس کی معصومیت اس کے دل کو زخمی کر رہی تھی۔ اسے ضبط کرنا مشکل تھا — آنکھوں میں امڈے ہوئے آنسو پینا محال ہو گیا۔

اگر کچھ دیر اور آنند اسی قسم کی باتیں کرتا رہتا تو وہ بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور ہو جاتی —

آنند بیٹھا بیٹھا مسکرا دیا۔

چودہ برس پرانی باتیں یاد کر کے وہ مسکرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ واقعی وہ کتنا معصوم تھا۔

اسی لمحہ کالج کا جمعدار جھاڑو ہاتھ میں پکڑے کمرے میں آ گیا۔ ایک اجنبی کو ڈیسک پر بیٹھا دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"کون ہو ——"

"میں ——" آنند گہرا سانس لیکر کھڑا ہو گیا۔ "میں آنند ہوں —— اور تم جمعدار دلو نہیں ہو —— ؟"

"ہاں بابو جی میں دلو ہی ہوں ——" روہتک ضلع کے رہنے والے جمعدار نے حیران کن لہجے میں کہا۔ کہاں روہتک کہاں یہ شہر —— روزی کی تلاش میں لوگ کہاں کہاں پہنچ جاتے ہیں ——

"اب تو تمہارے بال بہت زیادہ سفید ہو گئے ہیں ——"

"ہاں بابو جی ——" جمعدار ٹھنڈا سانس لے کر ڈیسک کے سہارے کھڑا ہو گیا —— "کیا آپ بھی یہاں پڑھا کرتے تھے ——"

"ہاں! چودہ برس پہلے میں نے اس کالج کو چھوڑا تھا۔"

"چودہ برس ——، بابو جی بڑا زمانہ ہوتا ہے ——"

"زمانہ ——!" آنند چند قدم چل کر رک گیا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو جمعدار —— چودہ برس میں دنیا بدل جاتی ہے —— دنیا ——!"

"ہاں بابو جی! اب تو دنیا ہی بدل گئی ہے۔ میں آپ کے زمانے میں

جمعدار تھا۔ اور آج بھی جمعدار ہوں۔ لیکن بابو جی! آج میرا ایک بیٹا اسی کالج میں پڑھتا ہے۔ میں یہ بات کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس کالج میں جھاڑو لگاتا ہوں، اسی کالج میں میرا بیٹا بھی پڑھے گا۔ بابو لوگوں اور سیٹھوں کے لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر۔۔۔ دنیا کتنی بدل گئی ہے۔"

"ہاں دلو! سب کچھ ہی بدل گیا ہے۔ غلام۔۔۔ جھنڈا۔۔۔ سماج۔۔۔ تم۔۔۔ اور میں۔۔۔" آنند نے بھاری آواز میں کہا۔ اور جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا بابو جی۔۔۔!"

"کچھ نہیں! رکھو لو! بچوں کو مٹھائی لے دینا۔۔۔"

"آپ کے بال بچے جئیں۔۔۔ آپ سدا سکھی رہیں۔ بھگوان آپکو بہت بہت دے۔۔۔ آپ یگ یگ جئیں۔۔۔ لیکن بابو جی۔۔۔" وہ چونک کر بولا۔ "یہ آپ کا بازو۔۔۔"

"او! یہ کچھ نہیں ہے۔۔۔" آنند نے اپنا بازو چھپانا چاہا۔

"لیکن بابو جی! اس کالج سے جانے کے بعد آپ کے ساتھ ایسا ہوا ہوگا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ پچھلے تیس برس میں اس طرح کے بازو والا لڑکا نہیں آیا۔ اس لئے یہ آپ کے۔۔۔۔۔۔"

"چھوڑو اس بات کو۔۔۔ کوئی اور بات کرو۔۔۔"

"آپ کام کیا کرتے ہیں بابو جی۔۔۔"

"ایک چھوٹا سا کارخانہ ہے۔۔۔"

"کہاں۔۔۔"

"اس شہر میں نہیں۔۔۔"

"بابوجی! کیا میرے بیٹے کو نوکری مل سکتی ہے آپ کے کارخانے میں؟"

"میں کوشش کروں گا۔ میرا یہ کارڈ رکھ لو۔ جب وہ ڈگری لے لے تو میرے پاس بھیج دینا ــــ میں اسے نوکری دے دوں گا ــــ" آنند نے کارڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ یُگ یُگ جئیں ــــ آپ کے بال بچے سکھی رہیں۔ بابوجی! اس کالج سے پڑھ کر جانے والے لڑکے لڑکیاں بہت کچھ بنتے ہیں۔ ایک لڑکی تو بہت بڑی فلم کی ایکٹریس بن گئی ہے ــــ لاکھوں روپے ہیں اس کے پاس ــــ رانیوں کی طرح رہتی ہے ــــ ایک بار میں سلام کرنے گیا تھا ــــ اس نے مجھے سو روپے کا نوٹ دیا۔ جمعدارنی کے لئے تین ساڑھیاں ریشم کی دیں ــــ واہ ــــ واہ ــــ کیا رنگ ہے اس کا ــــ دو موٹر کاریں رکھ چھوڑی ہیں اس نے ــــ"

"ہوں گی ــــ" آنند نے تھکے انداز میں کہا۔

"کیا آپ نہیں جانتے اسے ــــ وہ بھی تو بارہ تیرہ برس ہوئے اس کالج میں پڑھا کرتی تھی ــــ"

"میرے چلے جانے کے بعد آئی ہوگی ــــ" کہہ کر آنند دروازے کی طرف بڑھا۔ "اچھا جمعدار میں جا رہا ہوں ــــ"

"آپ سو برس جئیں ــــ......" جمعدار دعائیں دے رہا تھا۔ اور آنند بوجھل دل اور بھاری قدم اٹھاتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ نیچے پہنچا، تو اس کی نگاہیں۔ برآمدے کی دیوار پر لٹکتے ہوئے نوٹس بورڈ پر چلی گئیں۔

تیرہ برس پہلے اسی نوٹس بورڈ پر نتیجہ لٹک رہا تھا۔ وہ بی اے کے

امتحان میں پاس تھا۔ کیرتی بھی پاس ہوگئی تھی۔

اس بار روٹھنے کے بعد وہ کیرتی سے روٹھا نہ تھا۔ کیوں کہ کیرتی پھر دو روز کیلئے یا زیادہ دنوں کے لئے کالج سے غیر حاضر نہ ہوئی تھی۔ پھر امتحانات شروع ہوگئے۔ اسے آنسو نہ بہانے پڑے تھے۔

امتحان کا نتیجہ آنند نے اپنے گھر اخبار میں پڑھ لیا تھا۔ کیرتی نے اپنے گھر میں پڑھ لیا تھا۔ ہر طالب علم نے پڑھ لیا تھا۔

لیکن بہت سے طالب علم نتیجہ پڑھ کر کالج آگئے تھے۔ تاکہ پرانے ساتھیوں سے مل لیں۔

جس روز آخری پرچہ دیا گیا تھا۔ کیرتی اسے آخری بار کالج میں ملی تھی۔ اس نے اس روز کہا تھا کہ وہ دو ماہ کے لئے شہر سے باہر جا رہی ہے۔ اور جیسے ہی لوٹے گی آنند کو مطلع کردے گی۔

اڑھائی ماہ گذر گئے۔ نتیجہ نکل آیا ـــ لیکن کیرتی کی کوئی خبر نہ تھی اخبار میں نتیجہ پڑھنے کے بعد وہ کالج اس خیال سے پہنچا تھا، کہ شاید کیرتی سے ملاقات ہو جائے۔ لیکن کیرتی نہ ملی۔ وہ دیر تک دوستوں سے باتیں کرتا رہا۔ اور جب باتیں کرتے کرتے تھک گیا تو گھر کے لئے روانہ ہوگیا ـــ جیسے ہی وہ گیٹ پر پہنچا۔ اسے کیرتی دکھائی دی۔

"کیرتی ـــ"

"ہیلو آنند ـــ" کیرتی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

آنند نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "لیکن کیرتی! میں تم سے سخت ناراض ہوں ـــ مذاق نہیں ـــ"

"پھر روٹھ گئے ـــ" کیرتی نے مسکرا کر کہا۔" لیکن تم نے تو وعدہ کیا تھا ـــ کہ اب نہ روٹھو گے ـــ"

"مجھے یاد ہے۔ لیکن تم ملی کیوں نہیں ـــ"

"بس اتنی سی بات پر روٹھ گئے ـــ"

"کیا یہ معمولی بات ہے ـــ؟"

"نہیں! میں آج صبح ہی باہر سے لوٹی ہوں ـــ"

"آج صبح ـــ"

"ہاں ـــ!"

"پھر کوئی بات نہیں ـــ"

"شکریہ! اب تو ناراض نہیں ہو ـــ"

"نہیں ـــ"

"پھر بولو گے نا مجھ سے ـــ"

"ہاں ـــ!" آنند نے سادگی سے کہا۔

"اچھا! سب سے پہلے اپنے پاس ہونے پر مبارک باد لو ـــ"

"شکریہ! اور تمہیں بھی مبارک ہو ـــ"

"تھینک یو! آنند اگر ناگوار نہ گذرے تو میرا ہاتھ چھوڑ دو ـــ"

"او ـــ" کہہ کر آنند نے اس کا ہاتھ یوں چھوڑا جیسے وہ ڈنک تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ پاس ہونے کی خوشی میں چائے تم پلاؤ گے یا میں پلاؤں۔" کیرتی نے مسرور لہجے میں کہا۔

"میں پلاؤں گا ـــ جانتی ہو میرے ڈیڈی نے کتنے روپے دیئے ہیں۔"

"کتنے ـــ!"

"پانچ! اور میں پانچ روپے لے کر سیدھا یہاں بھاگا۔ دوست بھی پارٹی مانگ رہے تھے۔ لیکن میں نے کہہ دیا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں، جانتی ہو اگر تم یہاں نہ ملتیں تو میں تمہارے گھر جاتا ــــ وہاں مبارکباد دیتا ــــ اور پھر تمہارے ہاتھ کی چائے پیتا ــــ"

"آؤ اب پلا دیتی ہوں ــــ میرے گھر کے قریب ہی ایک ریسٹوران ہے چل کر وہاں بیٹھیں گے ــــ اس ریسٹوران میں کیبن بھی ہیں ــــ"

"تمہارے ڈیڈی نے تمہیں کتنے روپے دیئے ہیں۔ تمہارے پاس ہونے کی خوشی میں ــــ"

"مجھے! مجھے تو صرف دو روپے ملے ہیں ــــ"

"صرف دو روپے ــــ"

"ہاں! کیا کم ہیں ــــ"

"کم تو نہیں! لیکن ....."

"لیکن کیوں کرتے ہو! پانچ تمہارے پاس ہیں دو میرے پاس ہیں۔ سات روپے بہت ہوتے ہیں ــــ"

"ہاں ٹھیک ہے! لیکن ہم یوں کرتے ہیں کہ دو دو روپے ڈال کر پارٹی کر لیں ــــ" آنند نے کہا۔

"چلو ایسے ہی کر لیں گے ــــ" کیرتی نے مسکرا کر کہا۔

وہ باتیں کرتے جا رہے تھے ــــ مستقبل کی باتیں ــــ ملازمت کی باتیں ــــ امتحان کی باتیں ــــ اچانک کیرتی نے موضوع بدل ڈالا۔

"آنند ــــ" کیرتی نے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ہوں ــــ"

"پھر دو اڑھائی مہینے تم نے کیسے کاٹے۔"

"میں ٹائپ سیکھا کرتا تھا—"

"اور کیا کرتے تھے۔"

"اور—"

"اور کیا کرتا تھا— اور نتیجے کا انتظار کرتا تھا—"

"بس—"

"یہی سمجھ لو! لیکن تم کیا جاننا چاہتی ہو—"

"تم اب تو نہیں روئے—"

"تمہارا مطلب ہے، تمہیں یاد کر کے—"

"ہاں—!"

"بہت تو نہیں رویا— کیونکہ اس بار تم بتا کر گئی تھیں کہ شہر سے باہر جا رہی ہو— اس لئے میں انتظار میں دن کاٹتا رہا۔"

"اور رونا نہیں آیا—"

"کیوں نہیں آیا۔ کہا تو آیا ہے، بہت نہیں رویا۔ صرف پانچ سات آٹھ بار رویا تھا—"

"اور یاد ہر روز کرتے تھے—؟"

"ہاں—!"

"لیکن روتے روز نہیں تھے—"

"دل جو اداس ہو جاتا تھا—"

"کیا ہو جاتا تھا—"

"دل اداس ہو جاتا تھا—"

"پھر کیا کرتے تھے —"

"کرتا کیا تھا — طبیعت گھبرانے لگتی تھی۔ بھوک مرجاتی — کھانا اچھا نہ لگتا —"

"کسی ڈاکٹر کو نہیں دکھایا خود کو —"

"نہیں — !"

"کیوں نہیں دکھایا —"

"اب میں جان گیا ہوں ایسا کیوں ہوتا ہے —"

"کیوں ہوتا ہے —" کیرتی کا دل دھڑکنے لگا۔

"پھر بتاؤں گا —"

"اور اب کیوں نہیں —"

"بات ہی کچھ ایسی ہے —"

"کیسی ہے —"

"کہا جو ہے، پھر بتادوں گا —" آنند نے چڑھ کر کہا۔

کیرتی زیرلب مسکرادی — !

"کیرتی! کیا تم بھی کبھی روتی ہو —"

"نہیں —"

"بالکل نہیں! حد ہے — اور کبھی اداس ہوئی ہو —"

"نہیں — !"

"تمہارا دل بھی نہیں گھبرایا —"

"نہیں —"

"اور تمہاری بھوک مرتی ہے کبھی —"

"نہیں ــــ"

"مجھے یاد کیا کبھی تم نے ــ"

"یاد تو آتے تھے تم ــ"

"کتنی بار ــــ"

"دو ایک بار ــــ"

"بس ــــ ؟"

"بس ــــ !"

"لیکن میں کیوں رو پڑتا ہوں تمہیں یاد کر کے ــ میری بھوک کیوں مر جاتی ہے ــــ میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوتا ہے ــــ"

"کیوں ہوتا ہے ــــ ؟"

"مجھے مجھے ..... " آنند کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے تم ــــ ؟"

"پھر بتاؤں گا ــــ" آنند نے جھلا کر کہا۔

کیرتی مسکرانے پر مجبور ہو گئی ــ

ریسٹوران آ گیا تھا ــ کیرتی اس کے آگے رک گئی ــ

"یہ ہے وہ ریسٹوران ــ"

"ہاں ــــ !"

"لیکن یہ بہت مہنگا ہو گا ــــ"

"کوئی بات نہیں ! سات روپے بہت ہوتے ہیں ــــ"

"سات روپے ! ہاں ہاں میں ڈرتا تھوڑے ہی ہوں ــــ"

"او ! غلطی ہو گئی ! تم نے کہا تھا دو دو روپے ڈالیں گے ــ"

چار روپے بھی بہت ہوتے ہیں ۔۔ !"

اور وہ ریسٹوران میں چلے گئے۔

تیرہ برس بعد وہ یہ سب باتیں سوچتا ہوا بے اختیاری میں اسی ریسٹوران کے آگے پہنچ گیا۔ اس نے ریسٹوران پر حسرت آمیز نگاہ ڈالی اور اندر چلا گیا۔

وہی مالک تھا۔ وہی فرنیچر ۔۔ میزیں اور کرسیاں اسی ترتیب سے پڑی تھیں۔ الماریوں میں اسی طرح ہر دیہتر ن کا سامان پڑا تھا۔ ریسٹوران میں گنتی کے گاہک تھے۔ وہ ان میزوں اور کرسیوں کے بیچ سے گذرتا ہوا کیبن میں چلا گیا۔ اور جا کر مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا

بیرا اندر آیا تو اس نے آتے ہی کہا۔

" صاحب یہ لیڈیز اور فیملی کے لئے کیبن ہے۔

" لیکن اس وقت خالی ہے ۔"

" سیٹھ بوم مارتا ہے ۔"

" دیکھو! لیڈیز یا فیملی تمہیں پیسے ہی دیتے ہیں نا! وہ میں بھی دے دوں گا۔ میرے نوٹ جعلی نہیں ہیں، خاطر جمع رکھو ۔"

" لیکن صاحب اسی طرح اور لوگ بھی آجائیں گے۔ آپ اکیلے ہیں، باہر بیٹھ جائیے، کیا فرق پڑے گا ۔"

"اکیلا! نہیں بیرا میں اکیلا نہیں ہوں ۔"

" کیا کوئی آرہا ہے ۔"

"نہیں ــــ"

"پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ آپ اکیلے نہیں ہیں ــــ"

"یہ تم نہیں سمجھ سکتے ــــ"

"میں بیٹھ کو کیا بولوں ــــ"

"تم اسے یہاں بھیج دو ــــ"

دو منٹ بعد مالک آگیا۔

"میں یہاں کچھ دیر کے لئے بیٹھنا چاہتا ہوں ــــ" آنند نے آہستہ سے کہا

"آپ باہر بیٹھ جائیے ــــ!"

"میں جانتا ہوں باہر بھی میز کرسیاں پڑی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ لیڈیز اور فیملی کیبن ہے۔ لیکن میں اس کیبن میں اور اسی کرسی پر بیٹھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ زائد پیسے لینا چاہتے ہیں تو میں دے سکتا ہوں ــــ" آنند نے پرس نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"آپ کو یہاں پا کر دوسرے گاہک بھی کیبن میں بیٹھ جائیں گے ــــ آپ باہر ہی بیٹھ جائیے ــــ"

"دیکھئے، معمولی سی بات ہے۔ اس وقت ریسٹوران میں رش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ باقی کیبن خالی پڑے ہیں۔ اور میں زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گا ــــ"

"لیکن باہر جگہ ہے ــــ آپ کسی بھی....."

"میں عرض کر چکا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ باہر ٹیبل پڑے ہیں۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس شہر میں صرف یہی ایک ریسٹوران نہیں ہے بلکہ کم از کم دس ہزار ریسٹوران ہوں گے۔ لیکن کوئی وجہ ہے۔ جو میں

یہاں کچھ دیر بیٹھنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ اس ریسٹوران میں آدھی درجن کیبن ہیں۔ اور پچاس کرسیاں ہیں ۔"

مالک اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں آپ ۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو پہلے بھی دیکھا ہے۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو دس بارہ برس گذرے آپ ایک لڑکی کے ساتھ یہاں آیا کرتے تھے۔ اور اسی کیبن میں بیٹھا کرتے تھے۔" مالک نے کہا۔

"ہاں ۔!"

"اب میں سمجھ گیا ہوں! آپ شوق سے بیٹھئے۔ معاف کیجئے میں نے آپ کو پریشان کیا ہے ۔"

"خیر اب آپ جا کر بیرا کو بھیج دیجئے۔" آنند نہیں چاہتا تھا کہ ریسٹوران کا مالک اس کے ذاتی معاملات پر بات کرے۔

"یس سر۔" مالک نے کہا اور چلا گیا۔

دو منٹ بعد بیرا آگیا۔

"دیکھو! ایک ٹرے چائے ۔ کچھ کھانے کیلئے ۔ کریم ایک اونس ۔ دو آملیٹ ۔ ایک اورنج سکواش ۔ دو گلاس پانی ۔ اور آرڈر بعد میں کروں گا ۔"

"صاحب آپ تو اکیلے ہیں ۔"

"میں جانتا ہوں ۔"

"چائے اور آرنج سکواش آپ ہی پئیں گے ۔"

"میں آرڈر کروں گا، تم آرڈر کی تکمیل کرو گے۔ اور جب میں

جانے لگوں گا تو بل ادا کروں گا۔ اس کے علاوہ یہاں بیٹھ کر میں کیا کروں گا۔ کیوں کروں گا۔ یہ جاننے کی کوشش نہ کرو۔ بہت سی باتیں سمجھنے کے قابل نہیں ہوتی ہیں۔"

"یس سر۔" بیرا نے کہا اور چلا گیا۔

تیرہ برس پیشتر بی۔ اے میں پاس ہونے کے بعد وہ پہلی بار کیرتی کے ساتھ اس ریسٹوران میں اور اس کیبن میں آیا تھا۔

اس کی جیب میں پانچ روپے تھے۔ اور کیرتی نے کہا تھا کہ اس کے پاس دو روپے ہیں۔ اس روز کیرتی نے آرڈر کے بعد آرڈر کیا تھا۔ جو بھی قیمتی شے تھی اس نے اس کا آرڈر کیا تھا۔ فروٹ کریم — آئس کریم کیرتی جب بھی کوئی آرڈر کرتی اس کا دل ڈوب جاتا۔ وہ اپنے پانچ روپے کے لئے پریشان تھا۔

"کیرتی —!" جب تیسری بار اس نے فروٹ کریم کے لئے آرڈر کیا تو آنند بولنے پر مجبور ہو گیا۔

"کہو —"

"میرا پیٹ تو بھر گیا ہے۔"

"پھر کیا ہوا — ایک اور کھاؤ — کوئی روز روز پاس نہیں ہوتے ہیں ہم —"

"نہیں بس —!"

"اچھا! میں ایک کھا لیتی ہوں — مجھے آئس کریم اور فروٹ کریم

بہت پسند ہیں — نہ معلوم کیوں —"

"لیکن بل ....."

"اوہ بل کا فکر مت کرو۔ پانچ روپے تمہارے پاس ہیں — دو میرے پاس ہیں۔ کچھ ریزگاری بھی ہے۔ سات روپے بہت ہوتے ہیں۔"

"لیکن یہ فروٹ کریم کا ڈیڑھ روپے کا کپ ہے —"

"گھبراؤ نہیں! میں بھی زخ جانتی ہوں۔ تمہارے ساتھ میں پہلی بار آئی ہوں، لیکن میں یہاں اکثر آتی رہتی ہوں — اور یوں بھی میرا گھر قریب ہی ہے۔ تم یہاں بیٹھنا میں جاکر روپے لے آؤں گی —"

"لیکن لیکن ....." آواز آنند کے حلق میں پھنس گئی۔ اس کے پانچ اور کیرتی کے دو — یہ درست تھا کہ تنہائی میں کیرتی کو یاد کرکے وہ آنسو بہانے لگتا تھا۔ اور اداس ہو جاتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ پانچ خرچے اور کیرتی دو۔

"تم فکر نہ کرو —، بی۔ اے میں کوئی روز روز تو پاس ہونا نہیں ہے۔ اور اگر تمہارے پانچ روپے ختم ہو گئے تو کیا ہوا —"

"نہیں نہیں! میں اپنے روپے کے لئے پریشان نہیں ہوں۔" آنند نے پریشان لہجہ میں کہا۔

"پھر کھانے کیوں نہیں —"؟

"نہیں تمہیں کھاؤ —"

"میں تو ضرور کھاؤں گی —"

جواب میں آنند نے مینو پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ حساب جوڑ رہا تھا کہ اب تک کتنا بل ہوا ہے — !

"آنند تم راستہ میں کہہ رہے تھے کہ تمہاری بھوک مرجاتی ہے۔ اور تم نے کہا تھا کہ تم بعد میں بتاؤ گے کہ کیوں مرجاتی ہے ــــ"

"بس ایسے ہی مرجاتی ہے ــــ"

"لیکن تم وجہ جان چکے ہو، اور وہ وجہ مجھے بتانا چاہتے تھے۔ لیکن سڑک پر نہیں ــــ یہاں تنہائی اور علیحدگی ہے کوئی نہیں سن رہا ہے، اب بتا دو نا ــــ!"

"نہیں! کوئی خاص بات نہیں ــــ"

"لیکن تم کہہ رہے تھے کہ میں یاد آجاتی ہوں تو تم رو پڑتے ہو اور تمہاری بھوک بھی ختم ہوجاتی ہے۔"

"ہاں! کہا تو تھا ــــ" آنند نے تھکی آواز میں کہا۔

"کیا اس وقت بھی میں یاد آگئی ہوں جو تمہاری بھوک مرگئی ہے ــــ"

"نہیں نہیں، اب میں نے پیٹ بھر کر کھا لیا ہے۔"

"حیرت ہے! خیر میں ابھی بھوکی ہوں ــــ"

"تم کھائے جاؤ ــــ"

"میں تو کھا ہی رہی ہوں۔ لیکن تم بتاتے کیوں نہیں کہ تمہاری بھوک کیوں مرجاتی ہے۔ اور مجھے یاد کر کے تم رو کیوں پڑتے ہو ــــ" کیرتی کو ہونٹوں پر آئی ہوئی مسکراہٹ کو چھپانا مشکل ہوگیا تھا۔

آنند خاموش رہا۔ وہ اپنے پانچ روپے کے لئے پریشان تھا۔

"بتاؤ نا! تمہیں میری قسم ــــ"

"کیرتی ..... " آنند نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہاں ــــ"

"یں — میں — مجھے......"

"کہتے کیوں نہیں —"

"تم خود ہی سمجھ جاؤ —"

"تم بتا دو —" کیرتی اس کی بدحواسی سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"مجھے — مجھے —" آنند کا سانس پھول گیا تھا۔

"ہاں ہاں —!"

"مجھے تم سے پیار ہو گیا ہے —" آنند نے کہا۔ اور نظریں جھکا لیں تاکہ کیرتی اس کی آنکھیں نہ دیکھ لے۔

کیرتی مسکرا دی۔ آنند کا شرمانا، جھجکنا اور نگاہیں گرانا حقیقی تھا۔ اس میں مصنوعی پن کا شائبہ تک نہ تھا۔ کیرتی اسے دو منٹ گھورتی رہی۔ لیکن آنند نے نگاہیں نہ اٹھائیں۔

آنند کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کیرتی ناراض ہو کر اس سے لڑ پڑے گی — لیکن ایسا نہ ہوا۔ کیرتی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن آنند پھر بھی نگاہیں ملانے کی جرأت نہ کر سکا۔ بڑی مشکل سے اس نے نگاہیں اٹھائیں تو دیکھا کہ کیرتی مسکرا رہی تھی۔

"تم — تم — ناراض تو نہیں ہو —" آنند نے سوال کیا۔

"نہیں —" کیرتی نے مسکراہٹ جاری رکھی "میں جانتی تھی—"

"تم جانتی تھیں —!" آنند نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں —"

"اور — اور — اس کے باوجود تم مجھ سے ملتی رہیں —"

"ہاں —!"

"کیوں ــــ"

"اس لئے کہ مجھے بھی تم سے پیار ہو گیا ہے ــ"

"تم ــــ تم ــــ ...."

"ہاں!" کیرتی نے زبان کے علاوہ گردن کی جنبش سے بھی تسلیم کیا۔

"پھر تمہاری آنکھوں میں بھی آنسو آجاتے ہوں گے ــ"

"ہاں ــــ"

"اور تمہاری بھوک بھی مر جاتی ہو گی ــ"

"ہاں ــــ"

"تم مجھے یاد بھی کرتی ہو ــ"

کیرتی کے جذبات میں ہیجان بپا ہو گیا۔ وہ زبان سے تسلیم نہ کر سکی اس نے سر کی جنبش سے اقرار کیا ــ

"کیرتی! اب ہم کیسے ملا کریں گے ــ"

"تم میرے گھر کا پتہ جانتے ہی ہو۔ تم مجھ سے ملنے آجایا کرنا ــ"

"اور تمہارے والدین ــــ"

"وہ تمہیں منع نہیں کریں گے ــ"

"اس کا مطلب ہے تم نے انہیں بتا دیا ہے ــ"

"ابھی نہیں ــــ"

"پھر کیسے آسکوں گا ــ!"

"بس آجانا ــــ"

اس روز دیر تک وہ باتیں کرتے رہے تھے ــ وہ باتیں جن میں اب کشش پیدا ہو گئی تھی جو اب ختم ہونے میں نہ آتی تھیں ــ

بیرا بل لے کر آیا تو آنند نے جیب سے پانچ کا نوٹ نکال لیا۔ اور جب بل پڑھا تو اس کا سر چکرا گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ـــ اب کیا ہوگا۔ بل آٹھ روپے گیارہ آنے کا تھا۔ پانچ اس کے پاس اور دو کیرتی کے پاس تھے۔ یقینی بات تھی کہ اب ان کی بے عزتی کی جائیگی۔ یا پولیس بلائی جائیگی۔

"کتنا بل ہے ـــ" کیرتی نے سوال کیا۔

"آ ـــ آ ـــ ٹھ روپے گیارہ ـــ آنے ـــ" آنند نے رک رک کہا ـــ

"بس ـــ!" کیرتی نے مسکرا کر رومال کھولا۔ اور دس روپے کا نوٹ بڑھا دیا۔ آنند اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ بیرا بل اور نوٹ لے کر چلا گیا۔ تو اس نے گہرا سانس لیا۔

"نوٹ جیب میں ڈال لو ـــ" کیرتی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن ـــ لیکن ـــ تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے پاس صرف دو روپے ہیں۔ اور یہ کہاں سے آ گئے ـــ"

کیرتی نے جواب میں مسکرانے پر اکتفا کیا ـــ آنند نے جلدی سے نوٹ اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ کہیں کیرتی اسے اٹھا نہ لے۔

اور یہ باتیں چودہ برس پرانی تھیں،

بیرا اندر آیا تو اس نے دیکھا کہ ہر شے اسی طرح پڑی تھی۔ بکواس

—— چار —— کھانے کا سامان —— آنند نے انہیں چھوا بھی نہ تھا

"صاحب اور کیا لاؤں —" بیرا نے پوچھا۔

"تین کپ فروٹ کریم —"

"تین کپ فروٹ کریم —؟" بیرا نے دوہرایا۔ اس نے آنند کو غور سے دیکھا۔ اس کی دالست میں آنند کا دماغ چل گیا تھا۔ جو کھا کچھ نہیں رہا تھا۔ لیکن آرڈر کئے جا رہا تھا۔

بیرا چلا گیا تو آنند پھر ماضی میں کھو گیا۔

وہ ایک برس تک کیرتی کو اس ریسٹوران میں لاتا رہا — اس دوران میں ان تھک محنت اور لا انتہا کوشش کے باوجود اسے ملازمت نہ مل سکی۔ گھر میں جھگڑے رہنے لگے۔ نوبت یہاں تک آگئی تھی، کہ اس نے کھانا بھی بند کر دیا۔ اگر کبھی مل جاتا تو کھا لیتا۔ ورنہ کبھی نہ مانگتا۔ صبح ہی صبح وہ گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور کسی پارک میں جا بیٹھتا۔ حتیٰ کہ ساڑھے دس یا پونے گیارہ بجے اس بلڈنگ کے سائے میں آکر کھڑا ہو جاتا اگر کیرتی کو وقت ملتا۔ یا حالات اجازت دیتے تو وہ گیارہ اور ساڑھے گیارہ کے درمیان اسے ملنے چلی آتی۔ اگر ساڑھے گیارہ تک نہ آتی تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب نہ آئیگی، وہ سوا بارہ ساڑھے بارہ تک بھی وہاں کھڑا رہتا۔

اسی دور میں اسے سگرٹ کی لت پڑ گئی۔ ایک طرف بے روزگاری دوسری طرف یہ عادت — اس کی جان کے لئے دونوں چیزیں وبال بن گئیں لیکن کیرتی اس کی مالی امداد کرتی رہی — اسے کھانا کھلاتی۔ اس بھلے

دو پیکٹ فی دن کے حساب سے سگرٹ خرید دیتی۔

آنند کے ذہن میں تیرہ برس پرانا واقعہ پھر اجاگر ہو گیا۔ جس روز کیرتی غرارہ، قمیض اور دوپٹہ پہن کر آئی تھی۔ اس کی اپنی جیب میں آدھا سگرٹ تھا۔ اور وہ چوبیس گھنٹے سے بھوکا تھا۔ اس نے کیرتی سے کہا تھا کہ رات اس نے چکن پلاؤ کھایا تھا۔ اور صبح فرنچ ٹوسٹ اور کریم والی چاء پی تھی۔ کیرتی اس کے لئے چار پیکٹ سگرٹ لائی تھی۔ تین پیسے کی ماچس کی خاطر وہ لڑ پڑی تھی۔ کہ اس نے راہ گیر سے ماچس مانگ کر سگرٹ کیوں سلگایا تھا۔

تیرہ برس بعد ——

وہی کیبن تھا، وہی میز تھا۔ وہی کرسیاں تھیں۔ اس کے سامنے کھانے اور پینے کی متعدد اشیاء پڑی تھیں۔ لیکن اسے بھوک نہ تھی۔

اس دنیا اور سماج کا عجیب طور ہے۔ جب ہم جوان ہوتے ہیں ہمارا معدہ کام کرتا ہے۔ بے انتہا بھوک لگتی ہے۔ تو کھانے کو نہیں ملتا۔ اور جب کھانے کو ملتا ہے، اس وقت بھوک نہیں رہتی —— معدہ جواب دے چکا ہوتا ہے ——

اس روز وہ اپنے پانچ کے نوٹ کے لئے پریشان تھا۔ اور آج اس کے سامنے بہت کچھ پڑا تھا۔ لیکن وہ کھا نہ رہا تھا اور نہ ہی کچھ پی رہا تھا۔

اس کی بھوک —— ؟

وہ بھی خلا میں گم ہو گئی تھی۔ جو شے خلا میں گم ہو جاتی، وہ خلا بن جاتی ہے۔ پھر نہیں ملتی۔

نہ معلوم کب میرا تین کپ فروٹ کریم رکھ گیا تھا۔

"کھاؤ نا کیرتی ـــ" آنند نے بے اختیاری میں کہہ ڈالا۔
لیکن کیرتی کہاں تھی ۔ اس کی کرسی تو خالی پڑی تھی۔ جس کے لئے اس نے آرنج سکواش، فروٹ کریم، اور کتنی چیزیں کھانے کے لئے آرڈر کی تھیں
نہیں نہیں ! وہ پاگل نہیں! کیرتی ہر وقت اس کے قریب رہتی ہے
کیرتی ایک لڑکی تھی ۔ کیرتی کے معنے اقبال ہوتا ہے۔ اور اقبال ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا ـــ اگر کیرتی اس کے پاس نہ ہوتی، تو وہ فروٹ کریم کا آرڈر کیوں کرتا۔

پونے تیرہ برس گذرے وہ کیرتی سے اس کیبن میں آخری بار ملا تھا۔ اور آج دیواریں اٹھ کر بھی، یہ کیبن خلا بن کر رہ گیا تھا۔
پونے تیرہ برس پیشتر۔
"پھر تم نے کیا سوچا ہے ـــ" کیرتی نے پوچھا۔
"اب سوچنے کے لئے رہ ہی کیا گیا ہے ـــ"
"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے ـ؟"
"ہاں ـــ!" آنند کے لہجے میں اعتماد تھا۔
"لیکن نندی تم اتنی دور، اکیلے کیسے رہ سکو گے ـــ" کیرتی کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔
"صرف اس امید پر کہ اس کے بعد تم ہمیشہ میرے قریب رہوگی۔"
"لیکن نندی میں تمہارے بغیر نہ رہ سکوں گی ـــ"
"میں جانتا ہوں ـــ"
"کیا اور کوئی راستہ نہیں ـــ" کیرتی رونے لگی۔

"دیکھو کیرتی تمہاری ماں ٹھیک کہتی ہے۔ تم لاڈ و پیار سے پالی گئی ہو۔ اگر ہماری شادی ہوگئی تو سو روپے ماہوار میں گذارہ مشکل ہے۔ تمہاری ماں ٹھیک کہتی ہے کہ جیسے ہی میری تنخواہ چار پانچ سو روپے ماہوار ہوجائیگی وہ تمہاری شادی میرے ساتھ کردے گی —"

"لیکن نندی تم میری بات کیوں نہیں مانتے — آؤ ہم بھاگ چلیں —"

"نہیں شریف لوگ ایسا نہیں کرتے —"

"شرافت ....." کہہ کر کیرتی نے اپنا منہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"رو نہیں پگلی! صرف چند برس کی بات ہے —"

"لیکن چند برس چند صدیوں سے کم نہیں —"

"میں جانتا ہوں — لیکن اس کے سوا چارہ نہیں — کیرتی متوسط طبقے میں پیار اور محبت، مجبوریوں اور افلاس کے تلے دب کر رہ جاتا ہے ہمارا کوئی بھی عمل اپنا نہیں ہے۔ ایک یہی ملازمت ہے جہاں مجھے با آسانی اور فوری اتنے روپے مل سکتے ہیں۔ اور یوں بھی اب کچھ نہیں ہو سکتا — بورڈ نے مجھے پاس کر دیا ہے۔ میڈیکل ہو چکا ہے۔ حکمنامہ آچکا ہے۔ کل صبح مجھے جانا ہے۔ اب میں انکار نہیں کر سکتا۔ انکار کی صورت میں پولیس مجھے گرفتار کرے گی — کیرتی! چند برس کی بات ہے — جدائی کا زہر پینا پڑتا ہے — متوسط طبقہ اسی طرح لپتا رہا ہے۔ اور لپتا رہے گا۔ لیکن ان چند برسوں کے بعد ہم کبھی جدا نہ ہوئے — کبھی جدا نہ ہوں گے —"

"لیکن نندی! میں زندہ نہ رہ سکوں گی —"

"نہیں کیرتی! چند روز میں انتظار کرنا بھی سیکھ جاؤ گی — میری خاطر

اپنی خاطر — تمہیں یہ دوری اور علیحدگی گوارا کرنا ہوگی۔ وعدہ کرو کہ تم میرا انتظار کرو گی —"

"انتظار تو میں زندگی کے آخری سانس تک کرتی رہوں گی — لیکن —" کیرتی جملہ نہ مکمل کر سکی۔ اس کی آواز اس کے آنسوؤں میں ڈوب گئی —

"دل نہ چھوٹا کرو — ان آنسوؤں کو سنبھال کر رکھو — یہ آنسو وہ سرمایہ ہیں جن کی بدولت تم انتظار کے دن کاٹ سکو گی —"

"لیکن نندی! تم میری ماں کو جانتے ہو —"

"ہاں! وہ تمہارے راستہ کا کانٹا نہ بنے گی۔"

"اگر کانٹا نہ ہوتی تو اتنی دور جانے کے لئے مجبور نہ کرتی —"

"وہ ٹھیک کہتی ہے کیرتی، بھوک اور عشق ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔"

"اس نے آج تک پیار نہیں کیا کسی سے۔ اگر کیا ہے تو صرف دولت سے کیا ہے —"

"یہ مت بھولو کیرتی، کہ اس کے پاس تجربہ ہے — اس نے دنیا دیکھی ہے۔"

"لیکن وہ میرا دل نہیں دیکھ سکتی —"

"اس کے باوجود وہ تمہاری بہتری چاہتی ہے۔"

"اور تم جانتے ہو کہ میری بہتری، بہبودی کے لئے وہ مجھے مجبور کر دے گی۔"

"کس بات پر —؟"

"کیا تم نہیں جانتے ہو —؟"

"جانتا ہوں ۔ لیکن یہ تم پر منحصر ہے ۔"

"میں عورت ہوں ، اور مجبور ہو جاؤں گی ۔"

"لیکن وہ ایسا نہ کرے گی ۔ "

" او خدا ! تم سمجھتے کیوں نہیں ! کہ وہ مجھے تم سے دور رکھنا چاہتی ہے ـــــ ! "

"لیکن اب اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے ۔ اب میں چاہوں بھی تو رک نہیں سکتا ۔ اب میری زندگی میری نہیں ـــ قانون مجھے اور میرے پیار کو نہیں سمجھ سکتا ـــ " آنند نے گہرا سانس لیکر کہا ۔

اور کیرتی رو رو کر ہلکان ہوتی رہی ۔

یہ سب کچھ یاد کر کے آج پونے تیرہ برس بعد اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر آنسو صاف کئے ۔ اور بیرر کو بلایا ۔

" بل ـــ " اس نے بوجھل آواز میں کہا ۔

" سات روپے آٹھ آنے ـــ " بیرر نے کہا ۔

آنند نے جیب سے دس کا نوٹ نکال کر رکھ دیا ۔

" باقی رقم تم رکھ لینا ـــ " آنند نے آہستہ سے کہا ۔

" کیا کہا صاحب ـــ " بیرر کو اعتبار نہ آیا ۔

" باقی رقم تم رکھ لینا ـــ "

"صاحب آپ نے کسی بھی شے کو ہاتھ نہیں لگایا۔"
آنند نے جواب نہ دیا۔ وہ کیبن سے باہر نکل گیا۔

وہ سر جھکائے سڑک پر چل رہا تھا۔ کسی راہ گیر سے ٹکرانے کے بعد وہ سنبھلنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ سامنے دیوار پر ہولڈنگ تھا — ہولڈنگ پر کسی فلم کا اشتہار بنا ہوا تھا۔ آرٹسٹ نے ہیروئن کا چہرہ نمایاں طور پر بنایا تھا۔ ان دنوں یہ ہیروئن بے حد مقبول تھی۔ اور اس کی فلمیں لوگ ذوق شوق سے دیکھتے تھے۔
چند برس پہلے اس نے اس ہیروئن کی ایک فلم دیکھی تھی۔ سیکڑوں عاشقوں میں سے ایک وہ بھی تھا۔ ایک سین میں ہیروئن پردۂ سیمیں پر گا رہی تھی — اسے یاد نہ رہا تھا کہ فلم کا نام کیا تھا۔ اب اسے گیت کے بول بھی یاد نہ رہے تھے۔ لیکن اس کا مفہوم کچھ اس قسم کا تھا۔
جب میں ایک پل کے لئے آنکھ سے اوجھل ہو جاتی تھی، تم سو سو آنسو بہاتے تھے لیکن اب میں سو سو آنسو بہاتی ہوں۔ اور تم اپنی شکل تک نہیں دکھاتے ہو — !

یہ گیت سنکر وہ رو پڑا تھا۔ غنیمت تھا کہ سینما ہال میں اندھیرا تھا۔ اور لوگ اسے بچّے کی طرح روتے ہوئے نہ دیکھ سکے تھے۔
اس روز سینما ہال سے نکل کر وہ دیر تک سوچتا رہا۔ کیا یہ گیت ہیروئن کی زندگی کی عکاسی کرتا تھا۔ کیا یہ گیت اس کے لئے گایا تھا۔ یہ سوز،

درد ـــ تڑپ ـــ نہیں یہ اس کی بھول تھی۔ گیت اس کے لئے نہ گایا گیا تھا۔

سڑک پر دیر تک کھڑا وہ سوچتا رہا۔ گیت کے یاد آجانے سے اس کا دل ایک بار پھر بھر آیا۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پیشتر اس کے کہ آنسو آنکھوں سے باہر نکل پڑتے وہ وہاں سے چل کھڑا ہوا ـــ

اس نے کلائی کی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ شام کے پونے چھ بج گئے تھے۔ وہ تین بجے سے اسی طرح آوارہ، اور بے مقصد گھومتا رہا تھا۔ ساڑھے تین سے چار بجے تک بلڈنگ کے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ پھر کالج چلا گیا تھا۔ وہاں سے آکر اس ریسٹوران میں بیٹھا رہا تھا۔ جہاں وہ کیرتی سے سوا سال تک ملتا رہا تھا۔

ان تین سوا تین گھنٹوں میں اس کے دل پر جدائی گرانی بڑھتی رہی تھی۔ یہ گرانی کبھی ختم نہ ہوگی ـــ!

قدم اٹھتے رہے، وہ بجھے دل سے سوچتا رہا ۔ حتیٰ کہ وہ چار منزلہ بلڈنگ کے مقابل جا کر رک گیا۔

ہلکے سبز رنگ کی بلڈنگ آج بھی ہلکے سبز رنگ کی تھی ۔ لیکن یہ رنگ برسوں پرانا تھا۔ بارش نے اسے میلا کر ڈالا تھا۔

سامنے وہ کھڑکی تھی جہاں کیرتی بیٹھا کرتی تھی ۔ اس کھڑکی میں بیٹھ کر بازار کے ہنگامے، لوگوں کی آمد و رفت دیکھا کرتی تھی۔

ایک روز وہ یہاں سے گذرا تو اس کی نگاہیں کھڑکی پر اٹھ گئی تھیں۔ کیرتی کو کھڑکی میں بیٹھا دیکھ کر وہ رک گیا۔ پھر دیر تک ٹکٹکی لگائے کیرتی کو دیکھتا رہا ۔ کیرتی اسے دیکھ نہ سکی تھی کیونکہ وہ ایک ستون کی آڑ میں کھڑا تھا ۔ !

اس روز وہ پون گھنٹہ تک کیرتی کو دیکھتا رہا تھا۔ اور کیرتی اس کی موجودگی سے بے خبر بازار کی رونق دیکھ رہی تھی ۔ جب کیرتی کسی کے بلانے پر کھڑکی سے ہٹ گئی تو وہ بھی وہاں سے چلا گیا تھا۔

آج بھی اسی ستون کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔

اس روز کے بعد وہ جب بھی ادھر سے گذرا۔ اس کھڑکی کی طرف دیکھتا۔ اگر کیرتی بیٹھی ہوتی تو اسے ہاتھ کا اشارہ کرتا ۔ کیرتی کو بھی پتہ چل گیا تھا، وہ کئی بار اس ستون کو دیکھتی۔ اور جب آنند کو اشارہ

کرتے پاتی تو جواب میں رومال ہلا کر یا ہاتھ ہلا کر جواب دے دیتی۔
لیکن آج اس کھڑکی میں کیرتی نہ تھی۔

اندھیرا چھانے لگا تھا۔ گہرا سانس لیکر، بوجھل قدم اٹھاتا ہوا وہ بلڈنگ کی طرف بڑھ گیا۔

تاریک سیڑھیوں میں وہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا — پہلی منزل — دوسری منزل — تیسری منزل —

اس زینے میں بارہا، کیرتی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وہ نیچے اترا تھا یا اوپر چڑھا تھا۔ کئی بار انہوں نے شرط باندھی تھی کہ دیکھیں پہلے کون چڑھتا ہے۔ کیرتی خود اس مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتی — وہ اچھل اچھل کر اور کود کود کر سیڑھیاں چڑھتی۔ دوسری منزل پار کرتے کرتے اس کا سانس پھول جاتا۔

"بس کرو — نندی —" وہ رک کر پھولے سانس سے کہتی — "میں تھک گئی ہوں۔"

"بس —!" وہ مسکرا کر کہتا — "اس زینہ پر چڑھنے کے لئے ہی نہیں، بلکہ زندگی میں اونچا جانے کے لئے بھی سانس پھول جاتا ہے۔ یہاں تو صرف۔ یہاں تو صرف تین منزلیں چڑھنا پڑتی ہیں۔ لیکن زندگی میں سینکڑوں منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں —"

"انہیں طے کر سکتی ہوں —" وہ پھولے سانس سے کہتی۔ اور کسی زینے میں بیٹھ جاتی۔

"وہ کیسے —"

"تمہارا سہارا لیکر —"

"پھر آؤ ——" کہہ کر آنند نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا "میرا سہارا آج بھی حاضر ہے۔ اور کل بھی ہوگا ——"

"چلو ——!" کیرتی اس کا ہاتھ تھام کر کہتی۔ اور اس کے سہارے کھڑی ہو جاتی —— پھر وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر زینہ طے کرتے۔

اور آج وہی زینہ وہ یوں طے کر رہا تھا، جیسے ساٹھ برس کا بوڑھا ہو گیا ہو —— اور ایک وقت میں صرف ایک قدم اٹھا سکتا تھا۔

اسی زینے میں ایک بار طوفان آ گیا تھا۔ اس نے کیرتی کا بوسہ لے لیا تھا۔ کیرتی مصنوعی طور پر بگڑ گئی تھی۔

کوری ڈور میں نیم اندھیرا تھا۔ وہ فلیٹ کے دروازے کے آگے جا کر رک گیا۔ اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ دستک دے۔

تقریباً چودہ برس پیشتر بھی اس نے یہی کیا تھا۔

اس روز کیرتی نے ریسٹوراں میں اسے اپنے گھر کا پتہ دیا تھا اور کیرتی نے کہا تھا کہ وہ بلا خوف و خطر اس کی کھولی میں آ سکتا تھا۔

چودہ برس پہلے جب وہ پہلی بار اس دروازے کے آگے آ کر کھڑا ہوا تھا تو اس نے نمبر کو کئی بار پڑھا تھا۔ اور دستک دینے سے پہلے اس نے سوچا تھا۔ کیرتی نے اس کے ساتھ مذاق تو نہیں کیا تھا۔ یہ دروازہ کسی کھولی کا نہ تھا، بلکہ اچھے بھلے فلیٹ کا دکھائی پڑتا تھا۔ کیرتی نے کہا تھا کہ وہ کھولی میں رہتی ہے۔

اس نے سوچا کہ وہ شرافت سے واپس چلا جائے۔

لیکن دھڑکتے دل سے اس نے کالبیل پر انگلی رکھ دی۔ دروازہ کھلنے میں دو تین منٹ لگے۔ یہ دو تین منٹ ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔

اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ ٹانگیں لرز رہی تھیں اور زبان سوکھ گئی تھی۔

دروازہ کھلا تو ایک عورت وارد ہوئی۔

عورت کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس عورت کو اس نے پردہ سکرین پر دیکھا تھا۔ اور وہ مشہور ایکٹریس تھی۔

"کیا چاہیئے —" عورت نے سوال کیا۔

"میں — مم — میں — شاید غلط جگہ پر آ گیا ہوں —"

آنند سے بات ہی نہ ہو رہی تھی۔

"کس کو ملنا ہے تمہیں —" عورت نے اس کی بوکھلاہٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے حلیمی سے کہا۔

"مجھے — مجھے — کیرتی سے ملنا ہے۔"

"ہے بی سے —" عورت نے کہا۔ "آجاؤ — اندر آجاؤ —"

"وہ — وہ یہاں رہتی ہے —؟"

"ہاں —!"

"واقعی یہاں رہتی ہے —!"

"ہاں ہاں! تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو! اندر آجاؤ — میں نے کہا تو ہے کہ وہ یہاں رہتی ہے۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کا مطلب کیرتی سے ہے نا —!"

"ہاں ہاں کیرتی سے — اندر سو رہی ہے۔ میں اسے جگا دیتی ہوں۔" کہہ کر وہ دروازے سے ہٹ گئی — "آجاؤ —"

آنند کانپتی ٹانگوں سے اندر گیا، کمرے کی آرائش اور فرنیچر دیکھ کر اس کے رہے سہے اوسان بھی اڑ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے

کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک دیوار پر کیرتی کا فوٹو لٹک رہا تھا۔ فوٹو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

"بیٹھ جاؤ ــــ"

"جی ــــ" آنند نے چونک کر عورت کو دیکھا۔ اور ڈرتا ڈرتا صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"تمہارا نام آنند ہے ــــ"

"جی ہاں! جی ہاں ــــ"

"بے بی نے مجھے بتایا تھا کہ تم اس کے ساتھ کالج میں پڑھا کرتے تھے۔ اچھا تم بیٹھو، میں جا کر اسے جگا دیتی ہوں ــــ"

"جی ــــ!" آنند نے کہا، بے بی ــــ کیا بے بی ہی کیرتی ہے۔ ساتھ کے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں۔

"بے بی ــــ اٹھو ــــ دن نکل آیا ہے ــــ"

"نہیں اٹھتی ــــ دن نکل آیا ہے تو اسے واپس بھیج دو ــــ" نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ یہ کیرتی کی آواز تھی۔

"اٹھو بے بی! نو بج چکے ہیں ــــ"

"بج چکے ہیں تو اچھا ہوا ــــ مجھے سونے دو ــــ"

"اٹھو بے بی ــــ یہ سونے کا وقت نہیں ہے ــــ"

"ماں مجھے سونے دو! اب کون سا کالج جانا ہے ــــ"

"کالج تو نہیں جانا! اٹھ کر دیکھ کون آیا ہے ــــ"

"کون آیا ہے؟" کیرتی نے کروٹ لے کر کہا "کوئی بھی نہیں آیا ــــ تم جھوٹ کہتی ہو ماں ــــ مجھے سونے دو ــــ"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ جاکر ڈرائنگ روم میں دیکھ وہاں کون بیٹھا ہے۔" عورت کی آواز آئی۔

"کوئی نہیں آیا! مجھے سونے دو۔"

"اچھا سو جاؤ! میں آنند سے کہہ دیتی ہوں کہ واپس چلا جائے"

"کیا۔" کیرتی اونچے لہجے میں بولی۔ "کیا کہا تم نے ماں۔"

"ہاں! وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے۔"

"نندی آیا ہے۔؟"

"ہاں۔"

کیرتی نے چادر پھینکی۔ اور کود کر پلنگ سے نیچے اتر آئی۔ پائینتی پڑے ہوئے ڈریسنگ گاؤن کو اٹھا کر پہنا اور پاؤں میں سلیپر گھسیٹتی ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچی۔

"ہیلو نندی۔" اس نے صوفے کے قریب جاکر کہا۔

آنند چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کیرتی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ بال پریشان۔ آنکھیں زیادہ سونے کی وجہ سے بوجھل ہو گئی تھیں۔ مردانہ سلیپنگ سوٹ۔ اور اس پر شنگھائی سلک کا ڈریسنگ گاؤن۔

"ہیے ..... لو۔" آنند اس طلسم کو توڑ نہ سکا۔ اس نے کیرتی کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیرتی اتنی حسین تھی۔ اس نے آج تک جس کیرتی کو دیکھا تھا وہ سادہ اور سوتی لباس پہنتی تھی۔ وہ نیچی نظروں سے کالج جایا کرتی تھی۔ جس کا لباس معمولی ہی نہیں۔ بلکہ غلط سلا ہوا ہوتا تھا۔ کیرتی جو گم گو تھی۔ جو لڑکیوں سے بھی دور دور رہتی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو ۔" کیرتی نے ہنس کر کہا ۔ آج پہلی بار وہ ہنسی تھی ۔ آنند نے دیکھا کہ اس کے دانت بہت خوبصورت تھے ۔ موتیوں کی طرح جڑے ہوئے اور سفید ۔۔۔ آج تک وہ صرف مسکرایا کرتی تھی ۔۔۔ وہ بھی زیر لب ۔

"خواب ۔۔!"

"خواب ۔۔!" کیرتی کا بیباک قہقہہ کمرے میں بکھر گیا ۔ "نندی میں خواب نہیں ہوں حقیقت ہوں ۔"

"میں نہیں مانتا ۔۔" آنند نے گردن ہلا کر کہا ۔

"بیٹھ جاؤ ۔۔!" کہہ کر کیرتی صوفے پر بیٹھ گئی ۔

آنند بیٹھا نہیں ۔ وہ اس کے چہرے سے نظر نہ ہٹا سکا ۔

"بیٹھ جاؤ نندی ۔۔"

"آں ۔۔" آنند نے سحر توڑا ۔ اور صوفے پر بیٹھ گیا ۔

"کب آئے ۔۔"

"ابھی ۔۔!"

ماں اس کمرے میں داخل ہو کر دوسرے دروازے سے جا رہی تھی

"ماں ! ملازم سے کہو کہ میری بیڈ ٹی لے آئے ۔۔"

"آنند کیا کھائے گا ۔۔"

"یہ میرے ساتھ ناشتہ کرے گا ، ابھی صرف ایک کپ چائے پیئے گا ۔۔"

"ناشتہ کے لئے کہہ دوں ۔۔"

"ہاں ماں ۔۔"

ماں چلی گئی ۔ کیرتی آنند کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی ۔ اور آنند کوشش کے باوجود نظریں نہ ہٹا سکا ۔

" کیا دیکھ رہے ہو نندی ۔۔ "

" تمہیں ۔۔ "

" کیا اس سے پہلے نہیں دیکھا کبھی ۔۔ " کیرتی نے ہنس کر کہا اور ساتھ ہی پیشانی پر آئی ہوئی زلف کو ہاتھ سے ہٹایا ۔

" اسے نہ ہٹاؤ ۔۔ " آنند نے کہا ۔

کیرتی نے ہاتھ سے زلف پیشانی پر پھینک دی ۔

" ہاں ! میں نے کہا تھا کہ پہلے نہیں دیکھا تھا کبھی مجھے ۔۔ ؟ " کیرتی نے دوبارہ کہا ۔

" دیکھا تھا ۔۔ "

" پھر آج کیا نئی بات ہے ۔ "

" میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنی خوبصورت ہو ۔۔ "

" ڈریسنگ گاؤن خوبصورت ہو گا ۔۔ "

" نہیں ۔۔ ! "

" پھر ۔۔ ! "

" میں آج تک یہی سمجھتا تھا کہ تم ایک عام سی لڑکی ہو ۔ معمولی سی ۔۔ جو کبھی جوان نہ ہو گی ۔ "

" کیا مطلب ۔۔ ؟ "

" مطلب یہ کہ اس سیدھے سادے لباس میں تم ایک ایسی لڑکی دکھائی دیتی تھیں جو اول آخر سکول کی طالبہ ہو ۔ لیکن آج یک لخت

تم ایک جوان لڑکی بن گئی ہو۔" کہہ کر آنند نے جیب سے سگرٹ نکالا۔

"یہ کیا ہے ۔۔۔؟"

"سگرٹ ۔۔۔!"

"وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ تم سگرٹ نوشی بھی کرتے ہو ۔۔۔"

"پرسوں سے شروع کیا ہے۔"

"پرسوں سے ۔۔۔؟"

"ہاں ۔۔۔!"

"لیکن کیوں ۔۔۔"

"میں نہیں جانتا! شاید اس لئے کہ اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میں طالب علم نہیں رہا ہوں۔ بلکہ ایک مرد بن گیا ہوں ۔۔۔"

"او ۔۔۔" کیرتی نے ہنس کر کہا۔ جیسے میں سٹوڈنٹ سے لڑکی بن گئی ہوں ۔۔۔"

ملازم بیڈ ٹی لے آیا تھا۔

"دیکھو! ڈیڈی کے سگریٹ کہاں پڑے ہیں ۔۔۔" کیرتی نے ملازم سے کہا۔

"ابھی دیکھتا ہوں۔" ملازم نے کہا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

کیرتی چائے تیار کرنے لگی۔

کمرے میں ماں داخل ہو کر بولی "بے بی! میں باہر جا رہی ہوں۔"

"کب لوٹو گی ماں ۔۔۔"

"شام کو ۔۔۔"

"اوکے — میرے چاکلیٹ لانا...."

"مجھے یاد ہے۔" ماں نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

نوکر سگرٹ کا ٹن اٹھا لایا تھا۔ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

"چھوٹے صاحب! تو گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں۔"

"سونے دو! اور انہیں کام ہی کیا ہے۔"

"لیکن رات انہوں نے کہا تھا، صبح آٹھ بجے جگا دوں — میں دو بار جگا چکا ہوں۔ اب اٹھتے ہی نہیں۔ پھر مجھ سے لڑیں گے۔"

"کیوں لڑیں گے۔" کیرتی نے پیالہ آنند کو دیا۔

"وہ کہہ رہے تھے نو بجے انہیں کسی سے ملنا ہے۔"

"اور اب صرف ساڑھے نو بجے ہیں۔" کیرتی نے دیوار پر آویزاں کلاک کو دیکھا۔ "تم جا کر ناشتہ تیار کرو، میں جانتی ہوں انہیں کس سے ملنا ہے"

"جی —!" کہہ کر ملازم چلا گیا۔

آنند نے گہرا سانس لے کر پیالہ اٹھایا۔ ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتار کر پیالہ رکھ دیا۔

"ٹھنڈا سانس کیوں لیا ہے۔"

"یوں ہی! یہ چھوٹے صاحب کون ہیں۔"

"شیام بھیّا —"

"کیا کرتے ہیں —"

"ہیرو بننے کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ فلم میں تو کام ملتا نہیں اس لئے سونے میں اداکاری کرتے ہیں۔"

"او —!"

کچھ دیر وہ چپ چاپ چائے پیتے رہے۔

"کیرتی۔!"

"کہو۔!"

"تم نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔"

"کیسا جھوٹ۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم کھولی میں رہتی ہو۔ کیا اسے کھولی کہتے ہیں۔"

"اور کیا کہتے ہیں اسے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے کھولی دیکھی ہی نہیں کبھی۔" آنند نے افسردہ لہجہ میں کہا۔ "ایسے اچھے فلیٹ اور ملازموں کے ساتھ رہ کر، صبح ساڑھے نو بجے تک سونے والے کیا جان سکتے ہیں کہ کھولی کسے کہتے ہیں۔۔۔ یہ گداز پلنگ، یہ نرم و گداز صوفے۔ بیڈ ٹی اور بریک فاسٹ۔۔۔ کیا تم جانتی ہو کہ کھولیوں میں کھٹمل کتنے ہوتے ہیں۔ اور گھر کے کتنے افراد فرش پر سوتے ہیں۔"

"نندی! گالیاں نہ دو، یہی وجہ تھی کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔"

"کیا وجہ تھی۔؟" آنند نے کلوگیر لہجے میں کہا۔

"اگر تمہیں علم ہو جاتا تو مجھ سے ملنا ترک کر دیتے۔"

"ہوں۔" کہہ کر آنند کسی سوچ میں غرق ہو گیا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ کیرتی کو بات کرنے کیلئے الفاظ نہ مل رہے تھے۔ وہ آنند کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے سوچ میں غرق تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی۔ لیکن آنکھوں میں آنسو نہ رہے تھے۔ وہ بیتاب ہو کر کھڑی ہو گئی۔ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی

لیکن آنند نے نگاہیں نہ اٹھائیں۔

"نندی ۔ !" اس نے کانپتی آواز سے پکارا

"ہوں ۔" آنند نے اسی حالت میں کہا۔

"کیا میری طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتے ۔ کیا میں اتنی بری ہو گئی ہوں۔" کیرتی نے رندھے ہوئے گلے سے کہا۔

"نہیں کیرتی ! ایسی بات نہیں ۔" آنند نے سوز بھرے لہجے میں کہا۔ اور نگاہیں اٹھا کر کیرتی کو دیکھا۔ تو کیرتی کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے

"لیکن میں جاننا چاہتی ہوں ۔ کیا تم نہیں بتاؤ گے ۔" آنسو کیرتی کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر آ گئے۔

"کیرتی ! میں ضرور بتاؤں گا۔ لیکن تم نے غربت صرف ناولوں میں دیکھی ہے ۔ لیکن یہ بتاؤ کیرتی کہ تم اتنے سادہ اور معمولی لباس میں کالج کیوں جایا کرتی تھیں ۔"

"کیا اس سوال کے جواب کی ضرورت رہ گئی ہے اب ! اگر اس بات کا انکشاف ہو جاتا کہ میں ایک ایکٹریس کی بیٹی ہوں تو ہر لڑکی مجھ سے دور دور رہتی ۔ ہر لڑکا مجھ پر آوازے کستا ۔ تم بھی مجھ سے دور ہو جاتے ۔ بظاہر یہ دنیا اور لوگ ایکٹریسوں کو ایک نظر دیکھنے کے لئے گھنٹوں دھوپ اور برسات میں کھڑے رہتے ہیں۔ وہ ان سے واقفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے قریب آنا نہیں چاہتے ۔" کیرتی نے بھرائی آواز میں کہا ۔ "میں جانتی ہوں کہ اگر تمہیں علم ہو جاتا کہ میں کون ہوں، تم بھی دور چلے جاتے ۔ یہ میں جانتی ہوں کہ یہ احساس کمتری ہر وقت میرے ذہن پر طاری رہتا ہے کہ میں ایک ایکٹریس کی بیٹی ہوں۔ ایکٹریس

—— جو صرف پردۂ سیمیں پر ہی دیکھی جاتی ہے۔ اور مجھ سے شریف گھرانے کی لڑکیاں میل جول رکھنا پسند نہ کرتیں ——"

"شاید تم سب کے متعلق ایسی رائے رکھ کر....."

"یہ تم اب کہہ سکتے ہو نندی! جب میں اسکول میں پڑھتی تھی۔ تو میری ایک عزیز ترین سہیلی مل مالک کی بیٹی تھی۔ ہم ایک دوسرے کے بنا زندہ نہ رہ سکتی تھیں۔ لیکن ایک روز اسے پتہ چل گیا کہ میں کس کی بیٹی ہوں —— اس نے مجھ سے بات کرنا ترک کر دیا۔ اس روز میں بے حد روئی تھی۔ لیکن کیا کر سکتی تھی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ لیبل جو میری ذات پر چسپاں ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ لیبل میری زندگی کے ساتھ جائیگا۔ میں تین برس کالج میں پڑھتی رہی لیکن کبھی کسی لڑکی کو اپنے ہاں نہیں بلایا۔ میں نے کسی امیر لڑکی کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ میں جان بوجھ کر اور مصلحتاً سادہ لباس پہن کر جایا کرتی تھی۔ میں غریبوں سے ملنا چاہتی تھی۔ جن کے پاس خلوص ہوتا ہے۔ صاف اور شفاف دل ہوتا ہے۔ جو تجارت نہیں کرتے۔ یہاں اس گھر میں پروڈیوسر اور ڈائریکٹر آتے ہیں۔ فلمی ہیرو اور ہیروئن آتے ہیں۔ یہ میں جانتی ہوں وہ کتنی ہوسناک نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اس کالج میں داخلہ لیا، جو متوسط طبقہ کے لوگوں کے لئے تھا۔ جہاں میرے سادہ لباس نے میرے دل کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ ان تین برسوں میں میں نے کبھی کسی کلچرل پروگرام میں حصہ نہیں لیا۔" یہ کہتے کہتے کیرتی کی آواز ڈوب گئی۔

آنند خاموش رہا۔

کیرتی نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا "اور اب! تم بھی ٹھکرانے لگے ہو

—— تاکہ میں ہمیشہ ان لوگوں سے ملتی رہوں جو بڑے بڑے بنک بیلنس رکھتے ہیں۔ کاریں رکھتے ہیں۔ اور جو مجھے ہزاروں روپے کی مالیت کے تحفے دینا چاہتے ہیں —— آنند —— تم میری دنیا سے چلے جانا چاہتے ہو ——"

"نندی کہو ——" آنند نے تصحیح کی اور مسکرا دیا۔

"شکریہ ——" کیرتی کا چہرہ کھل اٹھا۔ "میں تو ڈر گئی تھی، نندی تم کتنے عظیم ہو —— اف میرے خدا —— ابھی تم کیا سوچ رہے تھے ——"

"میں سوچ رہا تھا کہ آج یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ اس روز جب میں نے تمہارے چالیس روپے صاف کر ڈالے تھے۔ تم نے رپورٹ کیوں نہ کی تھی۔ تمہارے لئے چالیس روپے کیا وقعت رکھتے ہیں ——"

"نہیں نندی! یقین کرو یہ بات نہ تھی۔ مجھے تمہاری شرارتیں بہت پسند تھیں۔ میں جب کلاس روم سے مدھو کے ساتھ نکلی تھی، تو میں نے تمہیں دوستوں کے ساتھ کھڑے دیکھا۔ اور جب کلاس روم میں واپس گئی تو روپے غائب تھے۔ میں سمجھ گئی کہ تمہاری شرارت ہے۔ اُف! تم نہیں جانتے میں کتنی خوش تھی اس روز —— میں جانتی تھی کہ میری شکایت تمہیں پریشان بنا ڈالے گی۔ اور تم بڑی بات نہیں کہ اس رقم کو لوٹانے آتے —— کیونکہ تمہاری دانست میں۔ میں ایک غریب لڑکی تھی —— اور تم نے ایسا ہی کیا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو ——" آنند مسکرا دیا۔ "میرا خیال تھا کہ تمہارے رومال میں دو چار آنے ہوں گے۔ اور جب تم انہیں غائب پاؤ گی تو شکایت کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی —— ہوا الٹ! وہ نوٹ دیکھ کر میں پریشان ہو اٹھا۔"

"امتحان کے بعد نتیجے کے روز تک میں اسی شہر میں تھی۔ لیکن میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ میں شہر سے باہر جا رہی ہوں۔ میں ڈر رہی تھی کہ اگر میں

امتحان میں فیل ہو گئی اور مجھے ایک سال اور پڑھنا پڑا تو تم میرا گھر نہ دیکھ لو — پھر یہ راز راز نہ رہتا — ۔۔۔۔۔"

ملازم نے آکر کہا کہ ناشتہ تیار ہے ۔

"تم لگاؤ، میں باتھ روم ہو کر آتی ہوں —" کیرتی نے کہا ۔ ملازم چلا گیا ۔ "کیا اجازت ہے ۔"

"کس بات کی ۔"

"میں باتھ روم ہو آؤں —"

"ضرور —"

"تم بھاگ تو نہ جاؤ گے ۔"

"نہیں —"

"میری قسم —"

"تمہاری قسم —"

"یہ فلمی رسالے پڑے ہیں اگر چاہو تو ان کی ورق گردانی کر سکتے ہو — یا ریڈیو گرام لگا جاؤں —"

"نہیں یہ رسالے ٹھیک ہیں —"

"بس دس منٹ میں تیار ہو جاؤں گی ۔ صرف منہ ہاتھ دھو کر — جانا نہیں —" کہہ کر کیرتی چلی گئی ۔

بیس منٹ بعد وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے ۔ کیرتی ٹوسٹ پر جیم لگا رہی تھی ۔

"شکریہ —"

"کہو —"

"تم مجھ سے نفرت تو نہ کرو گے کبھی۔"

"کیوں ——"

"یہ جان کر کہ میں کون ہوں ——"

"نہیں۔"

"سچ نندی! اگر کبھی زندگی میں موقع آیا، تو ٹھکرا دینا۔ لیکن خدا کے لئے نفرت نہ کرنا۔ ورنہ میرا دل ٹوٹ جائیگا۔ اور میں ....."

کیرتی کی آواز بھرا گئی وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کیرتی! —— میں ایسا کبھی نہ کروں گا۔"

"شکریہ ——!" کیرتی نے نگاہیں اٹھا کر کہا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں ——

"اب یہ آنسو کیوں ——"

"او نندی! تم نہیں جانتے! میں نے تم کو پا کر کیا پا لیا ہے۔ اس احساس کمتری نے برسوں سے میری روح قبض کر رکھی تھی۔ نہ معلوم میں نے کتنے آنسو بہائے ہیں۔ میرا دل کس طرح تڑپا ہے۔ کاش میں ایک کلرک کے گھر پیدا ہوئی ہوتی۔ کم از کم لوگ میری غربت اور محرومی کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھتے۔ یہ دولت، یہ ثروت، یہ آرام و آسائش ایک نفس بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں میں مقید بن کر رہ گئی ہوں۔ جہاں میں بے چین اور مضطرب رہتی ہوں —— مستقبل ایک ایسا لفظ ہے جو میری لغت سے خارج کر دیا گیا ہے —— اور اب تمہیں پا کر میں نے مستقبل پا لیا ہے۔ اور اس مستقبل پانے کی خوشی میں آنسو نکل آئے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں فلمی زندگی سے نفرت ہے ——"

"بے حد — میں بیان نہیں کر سکتی۔"

"لیکن کیرتی! اچھے اچھے گھرانوں کی لڑکیاں اس زندگی کو اختیار کرنے کی خاطر سب کچھ کر گذرتی ہیں۔ وہ گھروں سے بھاگ کھڑی ہوتی ہیں — اور معاشرے کرنا وہ گناہ آلود زندگی بسر کرنے پر تیار ہو جاتی ہیں۔"

"وہ ناسمجھ ہیں۔ عورت کی اصل جگہ گھر ہے۔ خواہ وہ کھولی پر مشتمل کیوں نہ ہو۔ خواہ اس گھر میں ایک وقت کھانا پکتا ہو۔ اور نمک کے ساتھ کھانا پڑتا ہو۔ میں اس جیم۔ مکھن ٹوسٹ اور جا کلیٹ پر سوکھی روٹی کو ترجیح دیتی ہوں —" کیرتی نے فرط جوش سے کہا۔ "وہ لڑکیاں سمجھ نہیں سکتی ہیں، کیونکہ فلم انڈسٹری کی چمک انہیں دور سے کھینچ کر لاتی ہے — لیکن اسی فلم انڈسٹری میں اچھے گھرانوں کے مرد کام کرتے ہیں۔ جو اپنے بیٹوں کو ہیرو بنا سکتے ہیں۔ لیکن اپنی بیٹیوں کو فلم لائن میں جانے نہیں دیتے۔ — لیکن اپنی بیٹیوں پر اس گندگی کا سایہ تک نہیں پڑنے دیتے — آخر کیوں —؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو! محض اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہاں کتنی غلاظت ہے۔ کتنا تعفن ہے —"

"بالکل —!" کیرتی نے جوش میں کہا۔ "لاکھوں روپے سالانہ کمانے والی ہیروئن شادی کو ترستی ہے۔ وہ بچے کو جنم نہیں دیتی بلکہ ضائع کرتی ہے۔ ان لڑکیوں سے شریف مرد شادی نہیں کرتے — اور جو کرتے ہیں ان کا مقصد دولت حاصل کرنا ہوتا ہے — ہیروئن کی جوانی کو حاصل کرنے کی خاطر — میں نہیں جانتی وہ بیوی ہوتی ہے یا داشتہ —"

ایک روز آنند نے کیرتی سے کہا تھا کہ کالج سے نکلنے کے بعد وہ

لا انتہا دولت کمائے گا۔ وہ کار، اچھا فلیٹ، آرام اور آسائش کا خواہشمند تھا۔ اور اس روز کیرتی نے کہا تھا، کہ اسے دولت کی ضرورت نہیں۔ وہ غریب رہنا چاہتی ہے — آج اس پر عیاں ہوا تھا کہ اس نے یہ بات کیوں کہی تھی — آنند جو کچھ پانا چاہتا تھا۔ کیرتی اسے پاکر خود کو بدقسمت اور کمتر عورت سمجھتی تھی۔

قدرت اور انسان ہمیشہ مذاق کرتے ہیں آپس میں — کچھ لوگ بھاگ کر زندگی کے پاس پہنچتے۔ اور کچھ بھاگ کر دور چلے جانا چاہتے ہیں۔

اس روز کے بعد آنند اس فلیٹ میں پارہا آیا تھا۔

دو ماہ بعد وہ ایک روز اس فلیٹ میں پہنچا۔ تو ڈرائنگ روم میں فلم لائن کی چند نامور ہستیاں بیٹھی تھیں۔ کیرتی کی ماں ان کے درمیان بیٹھی تھی آنند نے کمرے میں داخل ہو کر تمام لوگوں کو نمستے کہی اور خاموش کھڑا ہو گیا۔

"آنند بیٹا کیسے ہو" ماں نے کہا۔

"دعا ہے آپ کی —" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ اتنے لوگوں کو دیکھ کر وہ سہم گیا تھا۔

"بے بی باہر گئی ہے۔"

"جی —" کہہ کر وہ لوٹنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ! شاید وہ جلد ہی لوٹ آئے —" ماں نے کہا۔

وہ ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

"اب تو بے بی کو لے ہی آؤ —" ایک شخص بولا۔ جو وضع قطع سے پروڈیوسر کم اور ایجنٹ زیادہ دکھائی پڑ رہا تھا۔

"ہاں ہاں!" دوسرے نے تائید کی۔

"نہیں! ابھی نہیں —" ماں نے جواب دیا۔

آنند کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"پھر کب! ہی تو دن ہیں۔ میں نے ڈائرکٹر پیارے سے بات کی تھی۔ انہوں نے کیرتی کو دیکھ رکھا ہے۔ میرا خیال ہے اس کا لمبا چہرہ سکرین پر

خوب رہے گا۔ اور اگر ڈائریکٹر پیارے نے ایک بار کیرتی کو چانس دے دیا۔ تو ایک ہی فلم کے بعد وہ اسٹار بن جائیگی ۔"

"میں جانتی ہوں منشی جی! لیکن کیرتی تیار نہیں! میں نے جب بھی ذکر چھیڑا ہے۔ اس نے صاف اور سخت الفاظ میں انکار کر دیا ہے۔" ماں نے کہا

"آپ یہ بات مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ میں منالوں گا اسے۔" منشی نے کہا۔

"کیرتی بڑی ضدی لڑکی ہے منشی جی! میری طرف سے اجازت ہے لیکن وہ تمہاری بے عزتی کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔"

"ایسی بے عزتی بے عزتی نہیں ہوتی۔" منشی نے مسکرا کر کہا۔ "اس بے عزتی میں میری عزت چھپی ہے۔"

"جانے دو منشی جی! آٹھ برس میں تم اسے موسیقی سیکھنے پر تو آمادہ نہ کر سکے۔ اب ایکٹریس بننے پر آمادہ کر لو گے۔"

دو تین افراد ہنس پڑے۔ پون گھنٹہ تک یہ لوگ کیرتی کو ہیروئن بنانے کے منصوبے تیار کرتے رہے۔ آنند کی حالت غیر تھی۔ وہ دم سادھے بیٹھا تھا۔ یہ دنیا۔ یہ ماحول۔ یہ باتیں اس کی سمجھ سے بالا تھیں۔ وہ صرف اتنا سمجھتا تھا کہ یہ سب لوگ اس کے اور کیرتی کے دشمن تھے۔

پھر وہ ایک ایک کر کے چلے گئے۔ آنند بھی جانے لگا تو ماں نے روک لیا۔

"تم بیٹھو! تم کہاں چل دیئے۔"

"میں اجازت چاہتا ہوں، شام کو آجاؤں گا۔"

"کیرتی آیا ہی چاہتی ہے، بلکہ اسے اب تک آجانا چاہیے تھا۔ کچھ دیر کے لئے رک جاؤ۔"

"بہتر ــــ!" کہہ کر آنند بیٹھ گیا۔

"اور سناؤ بیٹا! آجکل کیا کر رہے ہو۔ کیا آگے پڑھنے کا ارادہ ہے؟"

"جی نہیں! بی اے ہی بڑی مشکل سے کیا ہے۔"

"مشکل سے کیوں! کیرتی تو کہا کرتی تھی کہ تم بڑے ذہین اور ہوشیار ہو کلاس میں ــــ اور ہمیشہ اچھی پوزیشن لیتے ہو۔"

"جی میری مراد، مالی حالت سے تھی ــــ"

"تمہاری مالی حالت کو کیا ہوگیا ہے ــــ" ماں نے سادگی سے پوچھا لیکن اس سادگی کی اوٹ میں جو سن رسیدہ تجربہ پوشیدہ تھا، وہ آنند نہ جان سکتا تھا۔

"جی میں ایک معمولی آدمی ہوں۔"

"کیا انکساری پائی ہے تم نے بیٹا! معمولی کیوں کہتے ہو خود کو شکل و صورت خوب ہے۔ تعلیم یافتہ ہو۔ اور ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے جب وقت آئے گا ترقی کر لوگے ــــ ویسے تمہارے پتا کیا کام کرتے ہیں۔"

"وہ ایک دفتر میں ملازم ہیں۔"

"ملازم ہیں ــــ" ماں نے تعجب چھپا لیا ــــ "اچھے خاصے افسر ہونگے۔"

"جی نہیں! وہ ایک معمولی کلرک ہیں۔"

"واہ واہ! کیا انکساری پائی ہے تم نے۔ ویسے ہزار بارہ سو روپے ماہوار مل جاتے ہوں گے۔"

"جی نہیں! صرف دو سو روپے ماہوار ــــ"

ماں کا منہ حیرت سے کھلا۔ لیکن بند ہوگیا۔ پھر بولی "اس صورت میں تمہارا آگے تعلیم حاصل کرنا واقعی مشکل ہے۔"

"مشکل کہاں - ناممکن ہے -"

"اوہو —" ماں کے لہجے میں مصنوعی ہمدردی تھی "اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو —"

"میں ملازمت کی تلاش کر رہا ہوں -"

"ملازمت ہی کرنا چاہیئے تمہیں! میرا خیال ہے تم پر ذمہ داریاں بھی ہوں گی — کتنے بھائی بہن ہو تم —"

"پانچ —!"

"سب بھگوان کی دیا ہے —" ماں نے پان منہ میں رکھا "تمہارے کندھوں پہ تو اچھا خاصا بوجھ ہے — کتنے روپے ماہوار کی نوکری مل سکتی ہے تمہیں —"

"یہی کوئی سوا ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی -"

"ہاں ہاں خیر سے بی اے ہو - ایسی نوکری تو فوراً مل جائیگی -"

"میں تلاش کر رہا ہوں -"

"ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی ملازمت بھی تلاش کرنا پڑتی ہے -!"

"بات یہ ہے جی کہ اچھی فرموں میں مستقل ملازمت کے لئے سفارش کی ضرورت پڑتی ہے -"

"تم ٹھیک کہتے ہو —" کہہ کر ماں کچھ دیر کیلئے خاموش ہوگئی -

"آنند —" کچھ دیر بعد وہ بولی -

"جی —!"

"کیرتی تمہارے ساتھ پڑھا کرتی تھی - وہ تمہاری بہت تعریف کرتی ہے - وہ کہتی ہے تم بہت ہوشیار لڑکے ہو — اور میں نے تمہاری

باتوں سے بھی یہی اخذ کیا ہے۔"

"شکریہ —!"

"لیکن آنند بیٹا! اب تم آگے پڑھنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہو۔ اور نہ ہی کیرتی کا ارادہ ہے۔ سکول کی دوستی سکول کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ اور کالج کی دوستی کالج کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے —"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا —"

"میرا مطلب ہے، کہ تمہارے کندھوں پر بھاری بوجھ پڑا ہے تمہیں اپنے والد کا ہاتھ بٹانا چاہیئے — لازمت کر — اور کیرتی — کیرتی سے تم ضرور ملو۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ اس کی خاطر تم اپنا قیمتی وقت نہ ضائع کیا کرو —"

"لیکن لیکن ....."

"ہاں ہاں! کیا کہنا چاہتے ہو —"

"میں — میں کیرتی — اور ....."

"تم کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں کیرتی سے پیار ہے —"

آنند نے جواب میں سر جھکا لیا۔

"اوہ!" ماں نے گہرا سانس لیا "شک تو مجھے بھی تھا۔ لیکن بیٹا خود ہی سوچو — کیرتی تمہارے قابل کہاں ہے —"

"میرا خیال ہے، میں کیرتی کے قابل نہیں ہوں —"

"ایسا نہ کہو بیٹا — تم میں کس بات کی کمی ہے۔ کمی تو ہم لوگوں میں ہے۔ تم جانتے ہی ہو، سماج ہمیں حقیر سمجھتا ہے —"

"لیکن میں نہیں —"

"یہ تمہاری ذرّہ نوازی ہے ورنہ ہم اس قابل کہاں۔ اور صاف گوئی کا برا نہ ماننا! اگر ہماری کوئی عزت ہے تو صرف دولت سے ہے۔"

"کبیرتی کو دولت سے نفرت ہے۔"

"وہ لڑکی پگلی ہے۔ الٹے سیدھے ناول، قصّے کہانیاں پڑھ لینے سے اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اوٹ پٹانگ بولتی رہتی ہے۔ کبھی کہتی ہے کہ صرف دال کے ساتھ سوکھی روٹی کھائے گی۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ دال کے ساتھ سوکھی روٹی کھانے کے بعد چار روپے کے چاکلیٹ کھایا کرے گی۔ اور جہاں تک پیار کا سوال ہے۔ ہر انسان کو کرنا چاہیئے اور تم بھی کرتے رہو۔"

"کرتا رہوں۔" آنند نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں ہاں! آخر اس میں کوئی برائی نہیں۔"

"لیکن میں۔ میں....."

"تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو۔" ماں نے نقرہ دیا۔ "میں جانتی ہوں، ہر نوجوان پیار کرنے کے بعد شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن تم تو سمجھدار لڑکے ہو۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے کندھوں پر بھائی بہنوں کا بوجھ ہے۔ اور ڈیڑھ سو روپے کی انہیں سخت ضرورت ہے۔ تمہارے والد کی کتنی امیدیں تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔ انہوں نے تم کو اس لئے ہی۔ اسے کرایا ہے کہ تم ان کو بوجھ میں ہاتھ بٹاؤ۔ تم ملازم ہو کر ان کے بڑھاپے میں سہارا بن سکو۔"

آنند کی عمر کا تقاضہ تھا کہ وہ ہر بات پر بحث میں الجھ جائے۔ لیکن اسے اتنی سمجھ ضرور تھی کہ ان باتوں کو سمجھ سکے۔ اس لئے وہ

خاموش ہوگیا۔ اسے خاموش پاکر ماں بولی "بیٹا آنند اگر تم چاہو تو میں کسی مل مالک سے کہہ کر تمہیں ڈیڑھ پونے دو سو روپے ماہوار کی ملازمت دلوا دوں۔"

"جی نہیں شکریہ۔" آنند کی غیرت بیدار ہوگئی۔ "میرا خیال ہے۔ مجھے دو چار روز میں ملازمت مل جائیگی۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ ویسے تمہیں ملازمت حاصل کرنے میں اگر دشواری محسوس ہو، تو مجھ سے کہہ دینا۔ ہاں اگر تم بے بی سے ملتا کم کر دو تو تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تم اپنے کام پر زیادہ توجہ دے سکو گے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" آنند نے کھڑے ہو کر کہا۔

"کیا تم جا رہے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"ہاں تمہیں جانا ہی چاہیے۔ نہ معلوم بے بی کہاں رک گئی ہے اور تم کافی دیر سے انتظار کر رہے ہو۔ ہاں اگر سو دو سو روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لینا۔"

"جی۔" آنند نے کہا اور آداب کئے بنا چلا آیا۔

اس روز زینہ اترنا محال ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ آج پہلی بار اس پر عیاں ہوا تھا کہ ہر پیار کا انجام شادی نہیں ہوتا۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو پیار کرنے پر اعتراض نہیں کرتے، لیکن شادی پر کرتے ہیں۔ پیار ایک جذبہ ہے اور شادی ایک مسئلہ۔ وہ آج تک کیرتی کی سادگی، اس کے خلوص اور پیار میں الجھا رہا تھا۔ ماں کی باتیں تلخ ضرور تھیں

نیچے سڑک پر پہنچ کر اس نے کھلی ہوا میں گہرا سانس لیا۔ اور سر نیچے ڈال کر چلدیا۔ جیسے ہی سڑک کا موڑ مڑنے لگا مخالف سمت سے کیرتی اپنی کار میں آگئی۔ اسے جاتا دیکھ کر کیرتی نے کار رکوائی اور آنند کو پکارا۔

"نندی ــ" کیرتی نے دوبارہ حلق پھاڑ کر پکارا۔

آنند نے رک کر کار کو دیکھا اور کیرتی کو ہاتھ کے اشارے سے بلاتے پایا۔ وہ اسی جگہ کھڑا رہا۔

کیرتی کار سے اترنے پر مجبور ہو گئی۔ اور بڑھ کر اس کے پاس پہنچی

"کیا بات ہے۔! چہرہ لٹکائے اس حالت میں کہاں سے آرہے ہو۔"

"تمہارے گھر سے۔"

"میرے گھر سے ــ!" کیرتی کا دل کانپ اٹھا۔

"ہاں ــ"

"اور میرا انتظار نہیں کیا تم نے ــ"

"صرف ڈیڑھ گھنٹہ کیا تھا۔"

"ماں سے ملے تھے تم ــ"

"ہاں ــ!"

"کچھ باتیں ہوئی تھیں ــ" کیرتی اپنی ماں کو جانتی تھی۔

"کچھ نہیں! بہت سی ــ"

"اور تم خفا ہو کر جا رہے ہو۔"

"مجھے خفا ہونے کا کیا حق حاصل ہے۔"

"لیکن صورت سے یہی نظر آتا ہے۔"

"صورت ہی ایسی جو ٹھہری ــ"

"او" کیرتی نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ خیر تم ایک منٹ ٹھہرو، میں ڈرائیور سے کہدوں کہ گاڑی لیجائے ہم چل کر مخصوص ریسٹوران میں بیٹھیں گے۔"

آنند خاموش رہا۔ کیرتی جاکر ڈرائیور سے کہہ آئی۔

"آؤ ــــ!" کیرتی نے مسکرا کر کہا۔

پھر ریسٹوران کے مخصوص کیبن میں اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تو کیرتی مسکرا کر بولی۔

"نندی! اس طرح منہ پھلا کر نہ بیٹھو! بات کرو۔"

"کیا بات کروں! اب کرنے کے لئے رہ ہی کیا گیا ہے۔"

"نندی تم ماں سے لڑ کر آئے ہو۔ اس کا غصہ مجھ پر نہ اتارو۔"

"نہیں کیرتی میں ناراض نہیں ہوں۔ لیکن آج مجھے پتہ چل گیا ہے کہ میری اوقات کیا ہے۔ میں کیا ہوں ــــ"

"خدا کے لئے اتنے سخت الفاظ نہ استعمال کرو۔"

"اور کیا کہوں ــــ"

"اپنی ذات کے متعلق کچھ بھی نہ کہو تو بہتر، یہ کافی ہے کہ میں تمہیں پیار کرتی ہوں ــــ اور بس ــــ!"

"لیکن تمہاری ماں ــــ"

"وہ ایکٹریس ہے۔ یہ دھبہ میرے دامن سے دھویا نہیں جا سکتا۔" کہتے کہتے کیرتی کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ "میں جانتی ہوں کہ ماں نہیں چاہتی" میں اس زندگی اور غلاظت سے نکل سکوں ــــ"

"غلاظت ــــ" آنند نے سر اٹھا کر کہا۔ "لیکن تمہاری ماں تمہیں

ایکٹریس بنانے کے منصوبے تیار کر رہی ہے۔"

"تم کیسے جانتے ہو ۔"

"کچھ لوگ بیٹھے یہ باتیں کر رہے تھے۔"

"تم لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کرو ، ماں نے تمہیں کیا کہا ہے۔"

"وہ پوچھ رہی تھی کہ میں بی۔ اے کر کے کیا کرنا چاہتا ہوں ۔"

"تم نے کیا کہا ۔"

"ملازمت ۔"

"اور کیا پوچھا اس نے ۔"

"پوچھ رہی تھی ، کہ تمہارے والد کیا کام کرتے ہیں ۔ میں نے کہا دفتر میں ملازم ہیں۔ تنخواہ پوچھی تو میں نے کہدیا کہ دو سو روپے پاتے ہیں۔"

"دو سو روپے بتایا تم نے ۔"

"ہاں ۔"

"حد ہے ۔" کیرتی نے تڑپ کر کہا ۔" تم نے سچ کہدیا ۔"

"اس میں کیا برائی ہے ۔"

"برائی ۔ !" کیرتی نے چراغ پا ہو کر کہا ۔" اف میرے خدا ! راجہ یدھشٹر صاحب کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اس زمانے میں سچ بولنا پاپ ہے ۔"

"اب میں کیا جانتا تھا ، کہ تم میرے متعلق کیا کچھ کہہ چکی ہو ۔"

"اور میں بھی نہ جانتی تھی کہ تم صرف کالج کی لڑکیوں کی چھیڑ میں تماشا کر کے پروفیسر کے سامنے جھوٹ بول سکتے ہو ۔ اور جب جھوٹ بولنے کا موقع آئے گا تو تم سے بولا نہ جائیگا ۔"

"کیرتی! خدا کے لئے میری بھی سنو! ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ تمہاری ماں نے کہا ہے کہ اگر میں کیرتی سے پیار کرتا ہوں تو کرتا رہوں، لیکن پیار اور شادی الگ الگ چیز ہیں۔ اسے پیار پر اعتراض نہیں ہے، شادی پر اعتراض ہے۔ یہ امتیاز پیدا کر کے اس نے میری راہیں مشکل بنا دی ہیں۔ تم مجھے بے سود الزام ٹھہرا رہی ہو کہ میں نے جھوٹ کیوں نہ بولا۔ ماں تمہیں ایکٹریس بنانا چاہتی ہے۔ تمہاری ماں تمہیں باعزت بنانا چاہتی ہے۔ اور اس کے لئے دولت کی ضرورت ہے۔ اور وہ دولت تم ایکٹریس بن کر حاصل کر سکتی ہو۔ جیسے ہی تمہیں دولت اور شہرت نصیب ہوگی، تم اس سماج میں اعلیٰ مقام حاصل کر لوگی۔"

"پھر کیا ہوگا۔"

"پھر کیا ہوگا، میں نہیں جانتا۔ لیکن میرے اور تمہارے بیچ چاندی کی دیوار کھڑی رہے گی۔"

"لیکن میں اس دیوار کو توڑ دوں گی۔"

"جوش اور جذبات کا یہی تقاضہ ہے۔ لیکن لوگ مٹی اور اینٹوں کی دیوار نہ توڑ سکے، پھر چاندی کی دیوار توڑنا آسان نہ ہوگی۔"

"توڑنا آسان نہیں یا تم نہیں چاہتے۔"

"ایسی کون سی وجہ ہو سکتی ہے۔"

"کیا یہ کافی نہیں کہ اب تم جان گئے ہو کہ میں ایکٹریس کی بیٹی ہوں؟"

"نہیں کیرتی! تمہاری ماں کی سوشل پوزیشن میرے پیار میں حائل نہیں ہو سکتی۔ میں والدین کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر سکتا ہوں لیکن ــــ" وہ گہرا سانس لیکر خاموش ہو گیا۔

"لیکن کیا ــــ"

"لیکن! محبت کو زندہ رکھنے کے لئے ملاقاتیں ضروری ہیں اور شادی شدہ زندگی کو خوشگوار رکھنے کے لئے دولت کی ضرورت ہوتی ہے ــ تمہاری ماں نے ایسا کہا ہے ــ ویسے میں ان خیالات کو جھٹلا نہیں سکتا ــ!"

"ندی میں انتظار کر سکتی ہوں ــ"

"اور ایک روز یہ انتظار انتظار بن کر رہ جائے گا ــ"

"نہیں ندی ــ" کیرتی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ زندگی کے آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گی۔"

"لیکن اب میں تمہیں مل نہ سکوں گا ــ"

"کیوں نہیں مل سکتے ــ" کیرتی نے سوال کیا

"اس لئے کہ میں تمہارے گھر نہیں آ سکتا ــ"

"ماں سے ڈرتے ہو ــ"

"کچھ سمجھ لو ــ"

"اس کا حل ہے میرے پاس ــ"

"کیا ــــ؟"

"تم ہر روز صبح گیارہ سے ساڑھے گیارہ بجے تک اس عمارت کے نیچے چوک میں میرا انتظار کیا کرنا۔ جس روز کسی وجہ سے نہ آ سکوں تو ساڑھے گیارہ بجے چلے جایا کرنا ــ"

"یہ طے ہو گیا ــ"

وہ مہینوں اس بلڈنگ کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا۔ پونے گیارہ

سے بارہ ساڑھے بارہ بجے تک انتظار کرتا۔

ایک روز کیرتی نے بتایا۔

"دیکھو نندی! ماں تیار ہوگئی ہے۔"

"کس بات پر۔۔۔؟"

"وہ کہتی ہے کہ جیسے ہی نندی چار پانچ سو روپے ماہوار کمانے لگے گا۔ وہ ہماری شادی کر دے گی۔"

"چار پانچ سو روپے ماہوار۔۔۔"

"ہاں۔۔۔"

"لیکن کیرتی تم جانتی ہو، کہ مجھے بی۔ اے کئے ایک سال ہوگیا ہے لیکن ابھی تک ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی ملازمت نہیں مل سکی۔ پھر اس صورت میں چار پانچ سو روپے کی ملازمت کیسے اور کیوں کر مل سکتی ہے۔"

"نندی میں نے ایک روز کہا تھا کہ میں انتظار کر سکتی ہوں۔"

"مجھے یاد ہے۔۔۔"

"پھر حوصلہ نہ ہارو۔ تم کوئی ایسی ملازمت کر لو۔ جہاں دو تین۔۔۔ یا پانچ برس میں تم چار پانچ سو روپے ماہوار کما سکو۔۔۔"

"پانچ برس! ایک عرصہ ہوتا ہے کیرتی! اور اس عرصہ میں دنیا بدل جاتی ہے۔ کیرتی! دنیا بدل جاتی ہے۔۔۔"

"لیکن میں نہیں بدل سکتی۔۔۔"

"یہ تم آج کہہ سکتی ہو۔۔۔"

"نہیں نندی تم یقین کرو۔ اگر میں کامیاب ایکٹریس بن جاؤں تو ماں میری شادی نہ کرے گی۔ وہ جانتی ہے، ایکٹریس کا داماد نہیں کما کر کھلائے گا اسے، اس کی بیٹی ہی کھلائے گی ــــ میں پانچ کیا پچاس برس بھی انتظار کر سکتی ہوں۔"

"وقت آنے پر یہ بھی دیکھ لوں گا۔ ابھی تو میرے لئے سگرٹ بھی نہیں خریدنا پڑتے ہیں ــــ"

"دیکھو نندی ایسی باتیں نہ کیا کرو ــ ورنہ ....."

"بگڑو نہیں! یہ حقیقت ہے۔"

"سب فریب اور جھوٹ ہے۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ میں تم سے اور تم مجھ سے پیار کرتے ہو ــــ" کیرتی نے کہا۔

اور چند ماہ بعد چار پانچ سو روپے ماہوار کمانے کا راستہ مل گیا

"کیرتی! مجھے ملازمت مل گئی ہے۔"

"مل گئی ــــ" کیرتی نے مسرور لہجے میں کہا۔ "لیکن کہاں ــــ اور کیا تنخواہ ملے گی ــــ" اور اس نے جواب میں کہہ دیا تقریباً چار سو روپے۔

"سچ ــــ!" کیرتی کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

"ہاں ــــ!"

"میں آج ہی ماں سے کہوں گی کہ ہماری شادی ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر کر دے۔" کیرتی نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں کیرتی ــ"

"کیوں ــــ!"

"کیرتی! پہلے تم کہا کرتی تھیں، کہ ہمیں انتظار کرنا چاہیئے۔ اب میں کہتا ہوں کہ ہمیں انتظار کرنا چاہیئے۔"

"لیکن کیوں ——؟"

"اس لئے کہ تین چار مہینے ٹریننگ پر لگیں گے۔ پھر ایک ڈیڑھ سال کام کرنا پڑے گا۔ اور جیسے ہی میں چھٹی پر آؤں گا۔ ہماری شادی ہو جائیگی۔"

"ٹریننگ۔" کیرتی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیسی ٹریننگ —— تمہیں ملازمت کہاں ملی ہے۔؟"

"میں نے کمیشن لے لیا ہے۔"

"کمیشن! کیا کسی مل کی ایجنسی لے لی ہے، جو کمیشن ملا کرے گا۔"

"نہیں! فوج میں کمیشنڈ آفیسر ——"

"تم —— تم ——" کیرتی کے حلق میں آواز پھنس گئی۔ "تم فوج میں بھرتی ہو رہے ہو ——"

"اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔"

"چارہ —— نہیں نندی نہیں —— میں تمہیں نہ جانے دوں گی۔ —— جنگ —— جنگ —— مجھے جنگ سے نفرت ہے۔ اور جنگ سے کون ....." کیرتی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"لوٹا ہے ——" آنند نے مسکرا کر کہا —— "لیکن میں آؤں گا لوٹ کر۔"

"نہیں نندی تم نہیں جاؤ گے۔ میں اتنی خود غرض نہیں ہوں کہ تمہیں موت کے منہ میں دھکیل دوں۔"

"ایسا نہ کہو کیرتی۔ اس چاندی کی دیوار کو توڑنے کا واحد طریقہ یہی ہے۔ متوسط طبقہ اس سے زیادہ کبھی کچھ نہیں کر سکتا۔"

"تم یہاں رہ کر بھی ملازمت کر سکتے ہو۔"

"ایک برس کے بعد بھی تم یہی کہتی ہو۔ اور چار پانچ سو روپے ماہوار کمانے کے روز تک نہ معلوم کتنے برس لگ جائیں۔"

"میں نے کہا تھا کہ میں پچاس برس انتظار کر سکتی ہوں۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"پھر کیوں جا رہے ہو۔"

"پچاس برس کو دو برس بنانے کے لئے۔"

"نہیں! نندی خدا کے لئے نہ جاؤ۔"

"اب دیر ہو چکی ہے کیرتی! میں بورڈ کے سامنے پیش ہو چکا ہوں۔ میڈیکل ہو چکا ہے۔ اب اگر انکار کروں تو جیل کے دروازے کھل جائیں گے۔"

کیرتی رونے لگی۔!

پھر وہ ٹریننگ ختم کر کے آیا۔ اسے پندرہ روز کی چھٹی ملی تھی۔ وہ فوجی وردی میں چمک رہا تھا۔ وہ اس زینے کو کودتا ہوا چڑھ کر آیا تھا۔ اور آتے ہی اس نے کال بیل پر انگلی رکھ دی تھی۔ دروازہ کھل گیا۔ لیکن اس نے انگلی نہ اٹھائی تھی۔ دروازہ کھلنے پر کیرتی آئی۔

"تم ——!" کیرتی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ——! کیرتی میری وردی دیکھو۔"

اور آج برسوں بعد اس نے بے اختیاری میں کال بیل پر انگلی

رکھ دی۔ دو منٹ بعد دروازہ کھلا تو ایک پارسی عورت آئی۔

"تم ——" عورت نے کہا۔

"ہاں! میری وردی دیکھو ——" آنند نے جوش میں کہا۔

"وردی —— وہ کیا ہوتا ہے ——" پارسی عورت نے کہا۔

"وہ —— وہ ——" آنند کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا —— ساڑھے بارہ برس پیشتر اس کے جسم پر وردی تھی، آج نہیں۔

"کس کو مانگتا ——"

"کیرتی —— کیا کیرتی یہاں نہیں رہتی ——"

"کیرتی —— وہ ادھر نہیں رہتا۔ آٹھ برس ہوئے ادھر سے چلا گیا۔ ادھر مالا بار ہل پر رہتا ہے —— تم اس کا سگے والا (رشتہ دار) ہوتا ——"

"نہیں —— نہیں —— آئی ایم سارری ——" آنند نے کہا اور زینہ اترنے لگا ——

ایک بار پھر اس کا دل ڈوبنے لگا۔ سر چکرانے لگا۔ قدم بھاری ہو گئے —— وہ کسی بھی لمحہ لڑھک سکتا تھا —— کاش اس کا پاؤں اکھڑ جائے اور وہ اس زینے میں لڑھک جائے۔ پھر اس کا زندہ رہنا مشکل تھا۔ لیکن وہ لڑھکا نہیں۔

نو برس پہلے وہ آخری بار اس زینے سے اترا تھا۔ اور جب اتر رہا تھا۔ اس کی یہی حالت تھی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ اور قدم بھاری تھے۔ اس روز بھی اس کے اندر یہی خواہش پیدا ہوئی تھی، کہ اس کے قدم اکھڑ جائیں۔ اور وہ زینے میں لڑھک جائے

اور لاش بن کر سڑک پر جا گرے۔ اور اس روز بھی اس کی خواہش تکمیل نہ پا سکی تھی۔

نو بجنے سے پہلے وہ آخری بار ان سیڑھیوں سے اترا تھا تو اس روز اس کے جسم پر وردی نہ رہی تھی۔

وہ تقریباً دو گھنٹے اس فلیٹ میں بیٹھا رہا تھا۔ کیرتی ایکٹریس بن چکی تھی — اور وہ خود جنگ ختم کر کے لوٹا تھا۔ میدان جنگ سے نہیں — بلکہ ہسپتال سے۔

سڑک پر پہنچ کر اس نے گہرا سانس لیا۔ اور اس عمارت پر نگاہ ڈالی جہاں سے وہ نکلا تھا۔ کبھی یہاں کیرتی رہتی تھی۔ اس نے وہ کھڑکی دیکھی۔ جس میں کیرتی بیٹھا کرتی تھی اور ہاتھ کے اشارے سے بلایا کرتی تھی —

وہی بلڈنگ تھی، وہی فلیٹ تھا۔ وہی کھڑکی تھی — لیکن اس نمبر فلیٹ میں رہنے والی کیرتی، اور اس کھڑکی میں بیٹھنے والی کیرتی اب لاکھوں گھروں میں پہنچ گئی تھی۔ اب وہ اخباروں، رسالوں، فوٹو گرافروں کے سٹوڈیوں، چوراہوں پر لگے ہولڈنگ اور بینر پر پہنچ گئی تھی — کیرتی — جس کی تصویریں حجام اور پان فروش اپنی دکانوں پر لگاتے تھے۔ کالج کے لڑکے اس کی تصویریں اپنی البم میں لگاتے تھے۔ اور اسی کیرتی نے آنند کو ایک بھی تصویر نہ دی تھی اپنی —

اس نے رک کر گھڑی دیکھی ساڑھے بجے تھے۔

وہ تین بجے سے اسی طرح آوارہ گھوم رہا تھا۔ اور اس نے اب

تک جو کچھ دیکھا تھا وہ محض خلا تھا۔ وہ تصویریں جو خلا میں لٹک رہی تھیں۔ وہ باتیں جو خلا میں گونج رہی تھیں۔

سر جھکا کر وہ سڑک پر چلنے لگا۔

ایک چوراہے پر ایک بورڈ آویزاں تھا۔ جس پر ایک فوجی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اور اس تصویر کے نیچے عبارت تھی۔

"اپنے اور ملک کے مستقبل کی خاطر فوج میں بھرتی ہو جایئے۔"

رک کر وہ بورڈ دیکھنے لگا۔ تیرہ برس پیشتر اس نے بھی اسی قسم کا بورڈ پڑھا تھا۔ اپنے اور ملک کے مستقبل کے لئے فوج میں بھرتی ہو جایئے۔ اور وہ فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔

اپنا مستقبل بنانے کی خاطر۔

اور اس کا مستقبل کیرتی تھی۔ اس کا مستقبل وہ گھر تھا۔ جو شادی کے بعد بنانا چاہتا تھا۔ وہ ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی ملازمت حاصل کر سکا تھا۔ کیرتی کی ماں نے شرط لگا دی تھی کہ جیسے ہی وہ چار پانچ سو روپے ماہوار کمانے لگے گا۔ وہ اس کے ساتھ کیرتی کی شادی کر دے گی۔

اور اس حسین مستقبل کے حسین خواب کی تعبیر کے لئے وہ فوج میں بھرتی ہو گیا تھا۔

بنگلور سے ٹریننگ ختم کر کے وہ پندرہ روز کی چھٹی لے کر اس شہر میں آیا تھا تو سیکنڈ لیفٹیننٹ کی وردی میں چمک رہا تھا۔ اس نے

کیرتی کے لئے بنگلور سے سلک کی ساڑھی خریدی تھی۔
فلیٹ کی گھنٹی پر انگلی رکھ کر اس وقت تک نہ اٹھائی جب تک کیرتی نے خود آکر دروازہ نہ کھولا۔
"تم ——" اس نے حیرت زدہ لہجہ میں کہا۔
"ہاں! میری وردی دیکھی تم نے ——" اس نے کہا تھا۔
"او نندی! تم اس وردی میں کتنے خوبصورت دکھائی دیتے ہو۔" کہہ کر کیرتی نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔
"اور تم بھی ان چار مہینوں میں کتنی بڑی اور خوبصورت ہو گئی ہو ——"
"جھوٹے ——" کیرتی نے شرما کر کہا۔
"آؤ! دونوں مل کر آئینے میں خود کو دیکھیں۔"
"کون ہے بے بی ——" ماں کی آواز عقب سے آئی۔
"نندی آیا ہے ——"
"کون! نندی آیا ہے ——" ماں نے قریب آکر کہا۔
"نمستے ——" آنند نے کہا۔
"جیتو بیٹا! تم آگئے ——"
"جی ہاں! پندرہ روز کی چھٹی ملی ہے ——"
"نظر بد دور۔ بیٹا تم اس وردی میں چمک رہے ہو۔" ماں نے کہا۔ "وہاں کیوں کھڑے ہو۔ اندر آجاؤ ——"
"یہ کیا ہے ——" کیرتی نے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔
"او یہ —— یہ تمہارے لئے ہے۔ کھول کر دیکھ لو ——" کہہ کر آنند نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈبہ کیرتی کی طرف بڑھا دیا۔

کیرتی نے ڈبہ کھولا، اور ساڑھی دیکھ کر پھول اٹھی۔

"شکریہ ــ"

"تمہیں پسند آئی ــ" آنند نے پوچھا۔

"بہت ــ"

"اس طرح کھڑے رہ کر ہی باتیں کروگے، بیٹھ جاؤ ــ" ماں نے کہا۔

"بیٹھو نندی! میں چائے کے لئے کہہ آؤں ــ" کیرتی نے کہا۔

"میں کہہ آتی ہوں ــ" کہہ کر ماں باورچی خانہ کو چل دی

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا ہوں ــ" آنند نے اس کے کان میں کہا۔

"پھر ــ!"

"تم پانچ منٹ میں تیار ہو جاؤ ــ شام باہر گذاریں گے ــ"

"تیار کیا ہونا ہے ــ میں تیار ہوں ــ"

"میرا مطلب تھا ــ" کہہ کر آنند نے ساڑھی دیکھی۔

"او! میں سمجھ گئی! کیا اسے پہن لوں ــ"

"اگر تم چاہو تو ــ!"

"کیوں نہیں! میں دو منٹ میں پہن کر آتی ہوں ــ" کیرتی ناچتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ آنند مسکرا دیا۔

سگرٹ سلگا کر وہ دیواروں پر آویزاں تصویریں دیکھنے لگا۔ عقب سے کیرتی نے پکارا۔

"نندی ــ!"

آنند نے مڑ کر دیکھا، اور دیکھتا ہی رہا۔ کیرتی شرما گئی۔

"میں نہیں جانتا تھا تم اتنی خوبصورت ہو ــ" آنند نے پاس جا کر کہا

"ہش —" کیرتی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کو کہا۔

ماں داخل ہوئی تو کیرتی بولی "ماں! ہم جا رہے ہیں —"

"کہاں —"

"سیر کرنے —"

"لیکن چائے ...."

"وہ ہم باہر ہی پی لیں گے —" کیرتی نے کہا۔

"تھوڑی دیر رک جاؤ۔ کار آجائیگی —"

"نہیں ماں —" کیرتی نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی ——

"آؤ نندی —"

"سنو تو سہی، ڈرائیور لے جائیگا تمہیں — اور یہ بتا جاؤ کہ لوٹو گی کب —" ماں بولتی رہی۔ لیکن آنند اور کیرتی زینہ اتر رہے تھے۔

نیم تاریک زینے میں وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اتر رہے تھے۔ کہ آنند نے اسے کھینچ کر لپٹا لیا۔

"نندی —" کیرتی نے اکھڑے سانس سے کہا "کوئی آ نہ ..."

"آنے دو —!" آنند نے باہوں کا حلقہ تنگ کر دیا۔

سڑک پر پہنچ کر انہوں نے ٹیکسی رکوائی۔

وہ شام بے حد رنگین تھی۔ سمندر کے کنارے آنند ریت پہ لیٹا ہوا تھا۔ کیرتی نے اپنا سر اس کے بازو پر رکھا ہوا تھا۔

"کیرتی —"

"ہوں —" کیرتی نے بھاری آواز میں کہا۔

"تمہاری ماں نہیں چاہتی تھی کہ تم اکیلی آؤ میرے ساتھ۔ وہ ڈرائیور ساتھ بھیجنا چاہتی تھی۔ اور اب ....."

"لیکن اس کے چاہنے سے کیا فرق پڑا۔"

"وہ درست ہے۔ لیکن ....."

"بھول جاؤ اس لیکن کو آج کی شام۔"

"تم ماں سے شادی کی بات کرو گی اب۔"

"ضرور کروں گی۔"

"کیا وہ اجازت دے دے گی۔"

"ضرور۔"

"مجھے شک ہے۔" آنند نے کروٹ لے کر کہا۔ اور اپنا منہ اس کے چہرے پر لے گیا۔ اس کا گرم گرم سانس کیرتی کے چہرے سے ٹکرا رہا تھا۔

"تمہارا شک بے بنیاد ہے۔"

"کس بنا پر۔"

"تم جانتے ہو کہ میں اس گڑھے سے نکلنا چاہتی ہوں۔ میں گھر بسانا چاہتی ہوں خواہ وہ ایک کمرے کا ہو۔ اس گھر میں ہمارے ایک درجن بچے کھیلا کریں گے۔"

"صرف ایک درجن۔" آنند نے ہنس کر کہا۔

"تم نہیں جانتے مجھے بچوں کا کتنا شوق ہے۔"

"اور تمہاری ماں۔"

"میں ماں کے خلاف بغاوت کر دوں گی۔"

"لیکن تمہاری ماں کو دولت کی ضرورت ہے۔ اور تم جانتی ہو کہ تمہاری ماں بیٹے کی کمائی پر نہیں بلکہ بیٹی کی کمائی پر زندہ رہنا چاہتی ہے۔"

"دیکھو نندی! اگر ایسا موقع آجائے تو تم برا نہ ماننا۔ اگر مجھے ایکٹریس بننا پڑا تو میں چار پانچ برس کے لئے بنوں گی۔ اس اثنا میں میں اتنی دولت کما دوں گی کہ ماں کا پیٹ بھر جائیگا۔"

"دولت کے بھوکے کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں! تم جنگ سے لوٹ آؤ، میں اسی روز شادی کر لوں گی۔ خواہ ماں مانے یا نہ مانے۔"

"کیرتی۔"

"ہاں۔"

"تو تم ایکٹریس بن رہی ہو۔"

"میں نہیں بن رہی ہوں، مجھے بنایا جا رہا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔"

"نہیں نندی! اس میں فرق ہے۔"

"کسی پروڈیوسر سے کنٹریکٹ ہو گیا ہے کیا۔"

"ابھی صرف فیس طے ہوا ہے۔"

"او۔" کہہ کر آنند خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر کیرتی بھی سوچتی رہی۔

"کیا سوچ رہے ہو نندی۔"

"اپنے اور تمہارے بارے میں۔"

"کیا۔"

"کیا ہماری شادی ہو سکے گی کبھی۔"

"پاگل پن کی باتیں چھوڑ دو۔ میں تمہاری ہوں — اور اس روز تک انتظار کر سکتی ہوں جب تک تمہیں نہ پا لوں —"

"سچ —"

کیرتی نے سر ہلا کر تائید کی۔ پھر گرم ہونٹ گرم ہونٹوں سے مل گئے وہ پندرہ روز خواب کی طرح بیت گئے۔

آنند جہاز پر سوار ہو کر کسی نہ معلوم منزل کو روانہ ہو گیا۔ کیرتی الوداع کہنے آئی تھی۔

یہ سفر کتنا ہولناک، دل دوز اور کربناک تھا۔ کیرتی کی آنکھوں میں آنسو رقص کر رہے تھے۔ ہونٹ بات کرنے کو پھڑپھڑا رہے تھے۔ لیکن بات نہ ہو سکی۔ آنکھیں رو رہی تھیں۔ دل رو رہے تھے۔ ارمان اور آرزو رو رہے تھے۔ اور دو جوانیاں رو رہی تھیں۔

اس دن کو یاد کر کے آنند کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

وہ فوج میں بھرتی ہو کر مستقبل بنانے کے لئے چلا گیا تھا۔ اور اس مستقبل کی خاطر اس نے بہت کچھ برداشت کیا۔

آٹھ روز تک جہاز سمندر کی لہروں پر تیرتا رہا۔ اور ایک روز وہ اجنبی ٹک میں پہنچ گیا۔

تیسرے روز وہ محاذ پر تھا۔ آٹھویں فوج — اور سامنے رومیل کی اور اطالوی فوجیں تھیں۔

اس بے کنار صحرا میں جہاں دن دوزخ کی طرح تپتے تھے۔ رات برف کی طرح سرد — جہاں ریت ہی ریت تھی اور بے پناہ مکھیاں — جو دشمن سے زیادہ پریشان کن تھیں۔ جہاں زمین اور آسمان آگ اگلتے تھے۔ وہ کمپنی کمانڈ کر رہا تھا۔

ایک برس میں کیا کچھ ہوا — اس نے سوچنا بند کر دیا تھا۔ الامین — بک — تبروک — بیر ہاشم — بن غازی —

کولٹ سے لوگر — رائفل سے رائفل — مشین گن سے مشین گن — ۲۵ پاؤنڈر سے ۸۸ ملی میٹر — گرانٹ اور شرمن سے مارک III اور IV — آ لنڈیک۔ منٹگمری سے رومیل — آر۔ اے۔ ایف سے لفٹ ویف — ٹکراتے رہے۔

اور جب مئی ۱۹۴۳ء میں افریقہ کی جنگ ختم ہوئی۔ تو اس کے سینے پر آئی۔ ڈی۔ ایس۔ ایم — اور کندھے پر تین سٹار تھے۔ اور یہ تھا مستقبل جو وہ بنا رہا تھا۔

جب زمین و آسمان آگ اگلتے — جب اپنے اور پرائے کی تمیز نہ رہتی۔ جب جیتے جاگتے آدمی لاشوں کے انبار بن جاتے۔ جب جلتے ہوئے ٹینکوں اور جلتی ہوئی لاریوں کے بیچ سے گزرنا مشکل ہو جاتا تھا — وہ صرف ایک سہارے پر زندہ رہا۔ وہ سہارا تھا کیرتی کا پیار —

منزل قریب آ رہی تھی۔ اس کی تنخواہ بڑھ گئی تھی۔ اب کیرتی کی ماں اس کے راستہ میں حائل نہ ہوگی۔

لیکن محبت کی جنگ کے ساتھ دوسری جنگ عظیم بھی جاری رہی اسے چھٹی نہ مل سکی، وہ ہندوستان نہ جا سکا۔ اور مستقبل کی جنگ جاری رہی

اسے چند روز کے لئے چھٹی ملی تو قاہرہ جانے کے لئے۔ قاہرہ کے کلب میں اس نے عرصہ دراز کے بعد ہندوستانی میگزین اور اخبار دیکھے ایک فلمی رسالے میں کیرتی کے متعدد پوز چھپے تھے۔ ہر تصویر کے نیچے عبارت تھی۔

حسین و جمیل مشلہ۔ جس کی پہلی فلم نے تہلکہ مچا دیا۔

وہ ایکٹریس جو ایک فلم کے بعد سٹار بن گئی ہے

اسی قسم کے عنوانات۔ اور اس میگزین میں ایک انٹرویو چھپا تھا جو کیرتی نے دیا تھا۔

رسالہ کے نمائندے نے سوال کیا تھا "کیا ایکٹریس کو شادی کرانا چاہئے"

"میں صرف اپنے متعلق کہہ سکتی ہوں۔" کیرتی کا جواب تھا "میں شادی کرانا چاہتی ہوں۔"

"فلم انڈسٹری کے آدمی سے یا....."

"جی نہیں! میں فلم انڈسٹری کے آدمی سے شادی نہیں کروں گی۔"

"کیا آپ نے کسی سے پیار کیا ہے۔؟"

"میں اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی۔"

"اس کا مطلب ہے کیا ہے۔" نمائندے نے کہا۔

یہ سطریں پڑھ کر آنند کا دل دھڑکنے لگا۔ یہ بیان اس کی محبوبہ کا تھا۔ وہ شادی کرانا چاہتی تھی، وہ فلم انڈسٹری کے آدمی سے شادی نہ کرانا چاہتی تھی۔ اور پیار کے متعلق اقبال نہ کیا تھا۔

فوجوں کی نئی تشکیل و ترتیب دی جانے لگی منٹگمری اور رومیل کی جگہ دوسرے جرنیل آ گئے۔

مکھیاں اور ریت ختم ہو گئے۔ اس کی جگہ صدیوں پرانی تہذیب سنگتراشی کے بہترین نمونے نظر آنے لگے۔ صحرا کی تپتی ہواؤں کی جگہ سرد ہواؤں نے لے لی۔ عربوں کے لبادے کی جگہ پتلونیں نظر آنے لگیں۔ برقعوں کی جگہ سکرٹیں آ گئیں۔ لیکن توپوں کے منہ کھلے رہے۔

تقریباً ایک برس آگ برستی رہی۔

جنگ کا خاتمہ قریب تھا۔ اور اس جنگ کے ساتھ ہی اس کے پیار کی جنگ کو ختم ہو جانا تھا۔ اسے ہندوستان پہنچ کر کیرتی سے شادی کرنا تھی۔

پھر وہ دن آ گیا۔

وہ دن کتنا عجیب تھا۔ اس کی زندگی کا عجیب ترین دن ——

وہ ایک ویران سڑک پر جا رہا تھا۔ شام کا جھٹپٹا تھا۔ اس جھٹ پٹے میں اس نے ایک جھاڑی کے پیچھے کسی شخص کو حرکت کرتے دیکھا۔ اس کے کان معمولی آہٹ پر چونک پڑتے تھے۔ پھر وہ کیوں نہ چونکتا۔ ہولسٹر سے اس نے سروس ریوالور نکال لیا۔

"کون ہے ——؟"

حرکت بند ہو گئی۔

وہ پھر چلایا

جھاڑی سے ایک اطالوی سپاہی نکل آیا۔ اور ہر اطالوی کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر سٹیج ایکٹر کی طرح اطالوی زبان میں بولنے لگا۔ وہ ایک معمولی سپاہی تھا جو اپنی رجمنٹ سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اور ہر اطالوی کی طرح جنگ لڑنے سے پہلے ہی جنگ ہار چکا تھا۔

آنند نے سوچا کہ اس کو ہلاک کر ڈالے۔ پھر اس خیال سے اس نے

اپنا ارادہ بدل ڈالا ــــ پچھلے اڑھائی برسوں میں اس نے دیکھا تھا کہ اطالوی سپاہی صرف وسکی پینے کے لئے فوج میں بھرتی ہوتے تھے۔ وہ کبھی کسی محاذ پر سپاہی کی طرح نہ لڑے تھے۔ وہ سوچنے لگا اسے قیدی بنا لے۔ پھر خیال آیا کہ شاید وہ بھی کسی کیرتی کی ماں کی خاطر فوج میں بھرتی ہوا ہوگا ــ اس کی محبوبہ کی ماں نے بھی یہی شرط لگائی ہوگی کہ جب وہ مخصوص رقم کما لے گا تو اپنی بیٹی کی شادی اسکے ساتھ کردے گی۔

لیکن اب وہ میدان جنگ سے بھاگ رہا تھا۔ یقینی بات تھی کہ چھپتا چھپاتا اپنے گاؤں پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ اگر اسے جنگی قیدی بنا لے گا تو نہ معلوم اسے محبوبہ سے ملنے میں کتنے برس لگیں گے۔ اس نے اپنا ریوالور ہولسٹر میں ڈال لیا اور منہ پھیر کر چل دیا۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ عقب سے اس اطالوی سپاہی نے گولی چلا دی۔ گولی اس کے داہنے بازو کی کہنی پر لگی ــ ہڈیوں کے جوڑ پر ــــ آنند نے ہولسٹر سے بائیں ہاتھ سے ریوالور نکالا اور بھاگتے ہوئے سپاہی پر گولی چلا دی۔ لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔

فائرنگ کی آواز سن کر چند اتحادی سپاہی وہاں پہنچ گئے چند سپاہی اس اطالوی کے پیچھے بھاگے ــ دو تین نے اسے سہارا دیا۔

اور اس کے لئے جنگ ختم ہوگئی۔

ایک ماہ وہ ہسپتال میں پڑا رہا۔ پھر اسے اسکندریا پہنچا دیا گیا۔ ــ وہاں سے وہ ہندوستان کے لئے روانہ ہوگیا۔

تقریباً ساڑھے تین برس پیشتر جب وہ جہاز پر سوار ہوا تھا تو اس کی

آنکھوں میں جدائی اور غم کے آنسو تھے۔ اور اب وہ واپس جا رہا تھا۔ پھر بھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ آنسو متوسط طبقہ کی زندگی ہے۔

ساڑھے تین برس پیشتر جدائی نے اس کے دل کو ویران بنا ڈالا تھا۔ اور اب ملن نے اس کے دل کو ویران بنا رکھا تھا۔

متوسط طبقہ میں انسان کی جوانی، ارمانوں اور خواہشات کا خون کرنے میں گذر جاتی ہے۔ آرزو ولولے اور امنگیں فکر معاش میں کھو کر رہ جاتے ہیں اور جب فکر معاش ختم ہوتی تو جوانی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ ارمان فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ آرزوئیں سپنوں کی طرح دم توڑ دیتی ہیں۔ ولولے مر چکے ہوتے ہیں۔ اور امنگیں — امنگیں ڈوب چکی ہوتی ہیں۔

ساڑھے تین برس پیشتر وہ اس لئے پریشان اور غمگین تھا کہ وہ گھر سے دور جا رہا تھا۔ اور اب وہ اس لئے پریشان اور غمگین تھا کہ وہ ہندوستان کیوں جا رہا تھا۔

اس کے لئے جنگ عظیم ختم ہو گئی تھی۔ لیکن اس کی محبت کی جنگ جاری تھی۔

ڈیک کے ریلنگ کے ساتھ کھڑا وہ پہروں سمندر کی لہروں کو دیکھتا رہتا۔ وہ جانتا تھا کیرتی اسے لینے کے لئے نہیں آئے گی۔ لیکن جب وہ کیرتی سے ملے گا تو وہ کیا کہے گی — وہ بدل تو نہ جائے گی۔ کیا اب اسے کیرتی سے ملنا چاہیئے۔

اور ایک روز — پھر وہی جیٹی تھی — وہی منظر تھا۔ اسی طرح سیڑھی لگی تھی — ہاں اس بار مسافر اتر رہے تھے۔ مسافروں کے چہروں پہ خوشی ناچ رہی تھی —

اترنے سے پہلے وہ ریلنگ کے ساتھ کھڑا شہر کو دیکھتا رہا، حسرت بھری نگاہوں سے۔ جس شہر کی سڑکوں پر اس کی زندگی اور ارمان بکھرے پڑے تھے۔ اور راہگیروں کے قدموں تلے پامال ہو گئے تھے ـــ سارے جہاز میں وہ واحد مسافر تھا جو پریشان تھا۔ جس کے دل میں یہ خواہش بار بار پیدا ہو رہی تھی۔

کاش اس اطالوی سپاہی کی گولی اس کے بازو کی بجائے اس کے سر یا دل میں لگی ہوتی۔

پلٹن سے پلٹن لڑی تھی۔ بریگیڈ سے بریگیڈ ـــ ڈویژن سے ڈویژن ـــ اور فوج سے فوج ـــ وہ توپوں، ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کی آگ میں ثابت و سالم رہا۔ لیکن ایک تنہا سپاہی اور تنہا رائفل سے۔۔

جہاز سے اترنے والے فوجیوں میں عنبط و نظم ختم ہو چلا تھا ـــ وہ اس کوشش میں تھے کہ پہلے اتریں ـــ وہ تنہا فوجی تھا، جو سب سے آخر میں اترنا چاہتا تھا۔

جب جہاز پر صرف CREW رہ گیا تو اسے اترنا پڑا۔

اس نے وردی درست کی۔ سینہ تانا ـــ جس پر تین ربن تھے۔ اور انگریزی کا ہندسہ 8 پیتل کا بنا ہوا لگا تھا۔ ساڑھے تین برس پیشتر وہ مستقبل بنانے کی خاطر جہاز پر سوار ہوا تھا۔ اور ساڑھے تین برس بعد وہ مستقبل کو ماضی بنا کر جہاز سے نیچے اترا۔

سڑک پر چلتے ہوئے آنند مسکرایا۔

انسان کتنا ناسمجھ ہے جو بعض اوقات ماضی کو مستقبل سمجھ لیتا ہے۔

اس شہر کی ہزاروں عمارتوں اور لاکھوں افراد کی آبادی میں وہ اس روز بھی تنہا تھا اور آج بھی - یہ تنہائی وہ روز پیدائش سے اپنے ساتھ لایا تھا۔

ٹیکسی میں سامان رکھوا کر وہ گھر نہیں گیا۔ گھر جہاں اس کے ماں باپ تھے۔ اس کے بھائی بہن اس دن کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ صبح شام، شب و روز اس کی درازیٔ عمر کے لئے دعا مانگتے رہتے تھے۔ وہ گیرتی سے ملنے بھی نہ گیا جو اس کے انتظار میں آنکھیں بچھائے بیٹھی تھی۔

"ہوٹل —" اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو حکم دیا — اور خود سیٹ میں ڈوب کر سگرٹ پینے لگا۔

ایک ہفتہ وہ ہوٹل کے کمرے میں مقید رہا۔ ہوٹل کے ملازمین حیران تھے کہ یہ شخص ہوٹل سے باہر کیوں نہیں جاتا۔ کمرے میں تنہا پڑا یہ کیا کرتا رہتا ہے۔ کاش وہ انہیں بتا سکتا کہ جس شہر میں اس کی زندگی کے بیس برس گذرے تھے اب وہ شہر پرایا بن کر رہ گیا تھا۔

دس روز کے بعد ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ وہ نتائج سے لاپروا ہو گیا۔ انجام کا خوف جھٹک کر وہ اس کمرے سے نکلا جو دس دن اور دس رات تک اس کا واحد ساتھی رہا تھا۔

اس کی خواہش تھی کہ سیولین کپڑے پہن کر باہر جائے۔ لیکن دوسری خواہشات کی طرح یہ خواہش بھی پوری نہ ہو سکی۔

زیتونی رنگ کی وردی — سر پہ مونٹی کیپ — ہاتھ میں ایک پیکٹ — اور کمر میں — کمر خالی تھی — اس کے لئے جنگ ختم ہو گئی تھی۔ اب اسے کولٹ کی ضرورت نہ تھی۔

ٹیکسی شہر کی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ چوراہوں پر فلموں کے

ہولڈنگ آویزاں تھے۔ ان میں بیشتر ان فلموں کے متعلق تھے۔ جن میں کیرتی نے ہیروئن کا کام کیا تھا۔ آنند انہیں حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھتا اور ہر بار ٹھنڈا سانس لینے پر مجبور ہو جاتا۔

جانی پہچانی سڑکوں اور عمارتوں کے آگے سے گذرتی ہوئی ٹیکسی اس علاقہ میں جہاں وہ پہلے ہی روز آنا چاہتا تھا۔ لیکن دس روز کے بعد جا رہا تھا۔

ٹیکسی اس بلڈنگ کے آگے رک گئی لیکن وہ ٹیکسی میں ہی بیٹھا رہا۔ اس نے اس کھڑکی کو دیکھا جو اس کا ماضی تھی۔ لیکن اب مستقبل بن کر رہ گئی تھی۔ ڈرائیور حیران تھا۔ اپنی حیرت دور کرنے کے لئے اس نے کہا۔

"صاحب کیا آگے جانا ہے ـــ"

"نہیں ـــ!" آنند نے گہرا سانس لیا اور دروازہ کھول کر نیچے چلا گیا۔ بل ادا کر کے وہ بلڈنگ کی طرف چل پڑا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اور پاؤں شرابیوں کی طرح الجھ رہے تھے۔

وہی زینہ تھا۔ لیکن اس کا سانس پھولنے لگا۔ اور جب وہ اوپر پہنچا تو تھک گیا تھا۔

فلیٹ کے دروازے کے آگے کھڑے ہو کر اس نے ایک منٹ سوچا۔ اور بائیں ہاتھ کی انگلی کال بیل پر رکھ دی۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ دائیں ہاتھ کی انگلی رکھا کرتا تھا۔

دروازہ کھلا تو ماں نظر آئی۔

"نمستے ـــ!"

"تم ـــ آنند بیٹا تم کب آئے ـــ"

"کل ـــ" آنند نے جھوٹ بولا۔

"ٹھیک ہوتا! آؤ اندر آؤ ـــ"

آنند نے اندر جا کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اب ہر دیوار پہ گیری کے دلکش پونز لگے ہوئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ ـــ" ماں نے کہا۔

"ہوں ـــ!" کہہ کر آنند صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"آنند بیٹا ـــ" ماں نے چونک کر کہا۔

"جی ـــ!"

"یہ ـــ یہ ـــ تمہارے بازو کو کیا ہوگیا۔" ماں نے اس کے کٹے ہوئے بازو کی طرف اشارہ کیا۔ جو کہنی سے کاٹ دیا گیا تھا۔

"یہ ـــ!" آنند نے ہنس کر کہا ـــ "سونیئی کو دے آیا ہوں ـــ"

"سونیئی ـــ وہ کون ہے ـــ"

"اٹلی کا ڈکٹیٹر ـــ اسے ضرورت تھی۔ اس لئے دے آیا ہوں ـــ"

"او میرے خدا۔ اس جوانی میں ـــ اس عمر میں......"

"ایسا ہی ہوتا ہے۔ مستقبل کی خاطر بازو بھی کٹ جاتے ہیں۔" آنند نے زور سے ہنس کر کہا۔ اس ہنسی نے کمرہ ہلا ڈالا ـــ "پھر آپ نے ہی تو کہا تھا ـــ"

"میں نے کیا کہا تھا ـــ"

"میرے مستقبل کو بازو کی ضرورت ہے ـــ"

"میں سمجھی نہیں ـــ"

"آپ نے شرط جو لگائی تھی کہ اگر میں چار پانچ سو روپے ماہوار

کمانے لگوں تو گیرتی سے شادی ہو جائیگی۔" آنند نے اونچے لہجہ میں کہا۔
"نہیں بیٹا! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ اگر میں نے کہا تھا تو تمہاری بھلائی کی خاطر کہا تھا۔ اب مجھے کیا خبر تھی کہ تم فوج میں چلے جاؤ گے۔ اور ـــ اور . . . . "

"بازو مسولینی کو دے آؤں گا۔" آنند نے ہنس کر کہا۔
"نہیں آنند بیٹا! نہیں ـــ" ماں کی آواز کانپنے لگی۔ نہ معلوم آنند کی کونسی جیب میں پستول ہو۔
"خیر ہٹائیے اس قصّہ کو! اس برسات میں تو دہی اُگ آئے گا۔ ـــ یہ بتائیے آپ کا کیا حال ہے ـــ"
"بس جی رہی ہوں بیٹا ـــ"
"اس کے باوجود کہ گیرتی اب سٹار بن گئی ہے۔"
"سٹار کیا بننا ہے بیٹا! روٹی تو کھانا ہی ہے۔"
"ہاں ہاں! کیوں نہیں ـــ! روٹی تو غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ کھاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں مردوں کے بیٹے کمایا کرتے ہیں۔ اور ایکٹرسیوں کی بیٹیاں کمایا کرتی ہیں۔ کیونکہ بیٹے روزی کمانے کو حرام سمجھتے ہیں ـــ" آنند خود حیران تھا کہ وہ اتنے سخت الفاظ کیوں کہہ رہا تھا۔ شاید اس لئے کہ اب وہ کالج کا چھوکرا نہ رہا تھا۔ نہ ہی بے روزگار تھا۔

"بیٹا تم تو لڑنے پر آمادہ ہو ـــ" ماں نے گھبراہٹ آمیز لہجے میں کہا ـــ
"نہیں! ایک لڑائی میں دایاں بازو دے آیا ہوں۔ یہاں

لڑکر بایاں بازو نہیں کٹوانا چاہتا۔ اس بائیں بازو کو قائم رکھنے کے لئے تو میں نے دایاں بازو کٹوایا ہے۔" آنند نے مسکرا کر کہا۔ "کہتے ہیں، کہ بیوی بایاں بازو ہوتی ہے۔"

"چائے منگاؤں تمہارے لئے۔"

"جی نہیں! میں پی کر آیا ہوں۔"

"کیرنی شوٹنگ پر گئی ہے۔ ابھی اس کو لوٹنے میں چار گھنٹے باقی ہیں۔" ماں نے کہا تاکہ وہ چلا جائے۔

"کوئی بات نہیں! ایک روز اس نے کہا تھا کہ وہ پچاس برس انتظار کر سکتی ہے۔ کیا میں چار گھنٹے انتظار نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔" ماں نے ایک بار پھر اس کی جیبوں کو دیکھا۔ "اور سناؤ، کہاں کہاں گئے تم۔"

"مصر — لیبیا — تیونس — اٹلی —"

"میں کیا جانوں! ان پڑھ عورت ہوں۔ یہ سب دیش سات سمندر پار ہیں۔" ماں نے کہا۔

"جی نہیں! صرف چھ — ساتواں بحر اوقیانوس ہے۔ وہاں نہیں گیا —" کہہ کر آنند نے سگریٹ نکال کر لائیٹر سے سلگایا۔

"بیٹا تمہیں تکلیف تو ہوتی ہوگی۔"

"کس بات پر —"

"ایک ہاتھ سے کام کرتے ہوئے۔"

"کوئی خاص نہیں —"

کمرے میں خاموشی چھا گئی — نہ معلوم کیوں آنند کی موجودگی

اسے پریشان بنا رہی تھی۔

"ما کیرتی کو ایک فلم میں کام کرنے کا کیا معاوضہ ملتا ہے۔"

"کیا ملتا ہے بیٹا! بس دال روٹی چل رہی ہے۔"

"دال روٹی تو مزدور کی کمائی سے چلتی ہے۔ ویسے آپا کی دال روٹی کے لئے ایک فلم پروڈیوسر کتنے ہزار روپے دے دیتا ہے۔"

"کہنے کو تو پچیس تیس ہزار ملتے ہیں۔ لیکن پوری رقم آج تک کسی پروڈیوسر نے نہیں دی۔"

"اب تو کافی عزت بڑھ گئی ہوگی آپ کی۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"شاید آپ بھول گئی ہیں۔ ایک روز آپا نے کہا تھا کہ آپ لوگوں کی عزت دولت سے ہوتی ہے۔"

"کاہے کی عزت بیٹا۔" ماں نے بیزار ہو کر کہا۔ "یہ درست ہے بیٹا کہ تمہارا ہاتھ کٹ گیا ہے۔ لیکن اس میں میری کیا خطا ہے۔"

آنند کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ آدھ گھنٹہ پہلے جب وہ یہاں آیا تھا تو ماں نے کہا تھا کہ تمہارے بازو کو کیا ہوا۔ تو اس نے ہنس کر کہا تھا، کہ وہ سوئیٹی کو دے آیا تھا۔ لیکن اب جو ماں نے کہا تو وہ اسی قسم کا جواب نہ دے سکا۔ اگر وہ زندہ دلی، خندہ پیشانی اور مسکراتا ہوا کہہ سکتا تھا کہ برسات میں پھر اُگ جائیگا۔ اگر اسے بازو کھو دینے پر مطلق افسوس نہ ہوا تھا۔ تو وہ دس دن ہوٹل کے کمرے میں سفید کیوں رہا تھا۔ وہ کب تک خود کو دھوکہ اور فریب دے

سکتا تھا — وہ کب تک خود کو بہلا سکتا تھا۔ کہ بازو کھو دینے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کیرتی کی ماں اس سے نہیں اس کی فوجی وردی سے خوف زدہ تھی —

چند روز بعد یہ وردی اس کے جسم سے اتر جائیگی۔ جب وہ ایک عام شہری کی طرح سفید لباس میں گھومے گا تو پھر اس سے کون ڈرے گا۔ اسی گھر میں ایک روز وہ احساس کمتری کا شکار بن کر آیا تھا۔ اور آج وہ انتقاماً ایسی تلخ و ترش باتیں کر رہا تھا — لیکن اس طرح وہ ساڑھے تین برس جو مصائب اٹھا کر آیا تھا وہ ختم نہ ہو سکتے تھے۔

کٹا ہوا بازو اس کی زندگی کے ساتھ چسپاں ہو کر رہ گیا تھا کٹے ہوئے بازو نے اسے کمتر بنا ڈالا تھا۔

مضطرب اور بے چین ہو کر کھڑکی میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ جس کھڑکی میں کیرتی بیٹھا کرتی تھی۔ سگرٹ سلگا کر وہ بازار کا ہنگامہ دیکھنے لگا۔ لیکن اس کا ذہن پریشان ہو چکا تھا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ وہ کھڑکی میں کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں بار بار صرف ایک سوال پیدا ہوتا تھا۔ کیا اسے کیرتی کو ملنا چاہیئے۔؟ ہو سکتا ہے کیرتی نہ بدلی ہو۔ لیکن وہ خود تو بدل گیا تھا۔ کیرتی اس کے بازو کو فراموش نہ کر سکتی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ یہاں سے بھاگ کھڑا ہو۔ لیکن ایسا چاہتے ہوئے بھی وہ گیا نہیں۔ بلکہ اسی کھڑکی میں کھڑا رہا۔

وہ سڑک پر جاتے ہوئے جوڑے کو دیکھنے میں منہمک تھا۔

کہ بلڈنگ کے نیچے ایک کار رکی۔ آنند کی نگاہ اچانک اس کار پر اٹھ گئی۔ کار سے کیرتی اتری۔ آنند کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ چند انچ پیچھے ہٹ گیا۔ تاکہ کیرتی نہ اسے دیکھ لے اور وہ خود کیرتی کو دیکھ سکے۔ کیرتی اتر کر سیڑھی پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اور اس کا چہرہ سٹوڈیو میک اپ سے چمک رہا تھا۔ وہ کار میں بیٹھے ہوئے کسی شخص سے باتیں کر رہی تھی۔ کیرتی کے جسم اور ہاتھوں کی حرکات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بے حد خوش تھی۔ کسی بات پر وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔

کیرتی کا ہاتھ بڑھا جیسے وہ کار میں بیٹھے ہوئے شخص کو سہارا دے کر باہر آنے کے لئے کہہ رہی ہو۔

آنند نے غور کیا، کہ کیرتی اب کالج کی دبلی پتلی اور خالی خالی جسم والی لڑکی نہ رہی تھی۔ بلکہ وہ بھرے بھرے جسم والی لڑکی بن گئی تھی۔ ان چند برسوں میں وہ کلی سے پھول بن گئی تھی۔

کار سے ایک نوجوان اترا۔ اس کے چہرے پر بھی میک اپ تھا وہ کیرتی کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترا تھا۔ پھر دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بلڈنگ کے زینے کی طرف بڑھے۔

آنند کے دل کو دھکا سا لگا۔ چند خطوں میں کیرتی نے اپنی حالت لکھی تھی۔ وہ ہر وقت اسے یاد کرتی تھی۔ اس کی بھوک پیاس زائل ہو گئی تھی۔ وہ اداس اور غمگین رہتی تھی۔ لیکن اب اس نے جو کچھ دیکھا تھا۔ وہ ان خطوط کے مضمون سے الٹ تھا کیرتی کی صحت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ بلکہ اس کے جسم کا ہر حصہ

نمایاں ہوگیا تھا۔ مناسب جگہوں پر گوشت و پوست پیدا ہوگیا تھا۔ وہ اداس و غمگین نہ تھی۔ بلکہ قہقہے لگا رہی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ بے باک ہوگئی تھی۔ ایسا دکھائی پڑتا تھا جیسے فکر و غم اس کے پاس سے نہ گذرے تھے۔ وہ روکھی سوکھی روٹی نہ کھاتی رہی ہو۔ بلکہ چاکلیٹ کے ڈبے خالی کرتی رہی ہو۔

یہ منظر دیکھنے کے بعد وہ مزید نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اب فرار کے لئے راستہ نہ رہا تھا۔ اگر وہ نیچے جاتا تو زینے میں کیرتی سے تصادم ہوتا۔ اس فلیٹ میں چھپنے کے لئے جگہ نہ تھی۔

ایک راستہ ہے۔ اس نے سوچا۔ اسے فوراً عمل کرنا چاہیئے۔ وہ دوسری منزل میں کسی جگہ چھپ سکتا تھا۔ جیسے ہی کیرتی اوپر آئے وہ نیچے چلا جائے۔

تیزی سے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"کیا جا رہے ہو۔" ماں کی آواز آئی۔

آنند نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ لیکن وہ باہر نہ جا سکا۔ دروازے کے باہر کیرتی اور وہ ایکٹر کھڑے تھے۔ اور کیرتی گھنٹی کے بٹن کو دبانے لگی تھی۔ ایکٹر کا ہاتھ ابھی تک کیرتی کے ہاتھ میں تھا۔

"ہیلو۔" آنند نے مسکرا کر کہا۔

"ت۔۔۔ت۔۔۔تم۔۔۔" کیرتی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"ہاں میں۔" آنند نے مسکراہٹ جاری رکھی۔

کیرتی نے آہستہ سے اپنا ہاتھ ایکٹر کے ہاتھ سے نکال لیا "تم کب آئے نندی ۔۔۔!" کیرتی نے سنبھل کر کہا ۔ "میں ۔۔۔ میرا خیال تھا، کہ ۔۔۔ کہ ۔۔۔۔" کیرتی کو الفاظ نہ مل رہے تھے۔

"جنگ ابھی جاری ہے ۔۔" آنند نے ہنس کر کہا، "لیکن میرے لئے جنگ ختم ہو گئی۔ اس لئے میں چلا آیا۔"

ماں اٹھ کر ان کے قریب گئی ۔ "تم لوگ دروازے میں کھڑے رہ کر کب تک باتیں کرتے رہو گے ۔۔۔ اندر آجاؤ ۔۔"

آنند کو راستہ دینا پڑا ۔ اندر آکر وہ نیم دائرے کی شکل میں کھڑے ہو گئے ۔۔ ایکٹر حیران کن آنکھوں سے آنند کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پریشان تھا کہ یک لخت کیرتی اتنی سنجیدہ کیوں ہو گئی ۔

"ان سے ملو! یہ میری فلم میں ہیرو کا کام کر رہے ہیں" کیرتی نے ماحول کی سنجیدگی کم کرنے کے لئے تعارف پیش کیا "مسٹر بلبیر ۔۔ اور یہ ہیں کیپٹن آنند ۔۔۔"

"ہاؤ ڈو یو ڈو ۔۔" کہہ کر بلبیر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا

"ہیلو ۔۔۔" آنند نے بایاں ہاتھ بڑھا دیا۔

"بایاں ہاتھ ۔۔۔!" بلبیر نے کہا ۔ "او ۔۔ معاف کیجئے گا ۔"

"نندی تمہارا بازو ۔۔۔" کیرتی چونک پڑی

"اب دیکھا ہے تم نے ۔۔" آنند نے مسکرا کر کہا۔

"یہ ۔۔۔ یہ ۔۔۔ کب ۔۔۔ کیسے ۔۔۔ لیکن ۔۔ لیکن ۔" کیرتی جملہ مکمل نہ کر سکی ۔

"کیرتی بٹیا تم میک اپ اتار دو ۔" ماں نے کہا۔
"میک اپ ۔" کیرتی کو فرار کا راستہ مل گیا "ہاں ماں مجھے میک اپ اتار دینا چاہیئے۔ نندی تم بیٹھو! میں ابھی آئی میک اپ اتار کر ۔۔۔"
"میرا خیال ہے رہنے دو ۔" آنند نے کہا۔
"نہیں نہیں گزشتہ ۔۔۔۔۔" کیرتی نے کچھ کہنا چاہا۔
"کیوں نہیں! میک اپ تو بہت کچھ چھپا لیتا ہے۔ اسے کیوں اتارتی ہو۔ اور یوں بھی اس میک اپ میں تم خوبصورت دکھائی پڑتی ہو ۔ خوبصورت اور اداکارہ ۔" آنند نے کہا۔
"بیٹی تم جاؤ ۔" ماں بیٹی کی مدد کو آئی۔
"معاف کیجیے گا۔ میں ابھی آئی ۔" کیرتی نے آنند اور بلبیر کو دیکھتے ہوئے کہا اور باتھ روم کو چلی گئی۔
"ضرور ضرور ۔" بلبیر نے اجازت دی۔
"میں چائے کے لئے کہہ دوں ۔" کہہ کر ماں چلی گئی۔
آنند اور بلبیر ایک دوسرے کو سمجھ گئے تھے۔ اس لئے خاموش رہے۔ پانچ منٹ بعد کیرتی میک اپ اتار کر آ گئی۔
"نندی تم نے خط کیوں نہیں لکھا۔! میں تمہیں جہاز پر لینے آتی ۔" کیرتی نے مسکرا کر کہا۔ لیکن یہ مسکراہٹ مصنوعی تھی یا اداکارانہ۔
"اس لئے کہ میں نے سوچا تمہارا وقت ضائع ہوگا۔ اور دوسرے کیا مجھے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ میں نے خط کیوں نہ لکھا۔"
"کیوں نہیں لکھا ۔" کیرتی نے سوال کیا۔

"مس کیرتی! ان کا بازو جو کٹ گیا ہے۔" بلبیر نے کہا۔

"جی ہاں ــــ!" آنند کو محسوس ہوا کہ بلبیر نے اسے گالی دی تھی ــــ اور اسے یہ گالی وصول کر لینا چاہیے۔

"یہ کیسے اور کب ہوا ــــ" کیرتی کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"کچھ ماہ پہلے ــــ" آنند نے جواب دیا۔ اور جیب سے سگرٹ نکالا۔ اب وہ پیکٹ نہ رکھتا تھا۔ سگرٹ ہونٹوں کو لگا کر اس نے لائیٹر جلایا۔ لیکن لائیٹر نہ جلا۔

"میرے پاس ماچس ہے ــــ" بلبیر نے جیب سے ماچس نکالی ــــ

"نو تھینک یو ــــ" آنند نے لائیٹر کو جھٹکا دیا۔

اس کے باوجود بلبیر نے ماچس جلا کر آگے کی۔ جسے آنند نے پھونک مار کر بجھا دیا۔ اور لائیٹر کو جلایا۔ وہ جل گیا۔

بلبیر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"چائے لگا دی ہے ــــ" ملازم نے آکر کہا۔

"نندی! آؤ ــــ" کہہ کر کیرتی ڈائننگ روم کی طرف بڑھی۔

"آیئے آنند صاحب ــــ" بلبیر نے کہا۔

"چلئے"

چائے کی میز پر بلبیر آنند سے فوج اور جنگ کے متعلق باتیں کرتا رہا۔

کیرتی اور بلبیر کانٹے چھری سے کھا رہے تھے ــــ اور آنند چمچہ سے ــــ

"مسٹر آنند اب آپ کو کانٹا چھری استعمال کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہوگی ——" بلبیر نے کہا۔

"جی نہیں! ابھی دانت قائم ہیں۔ اور جب اس ملک میں کانٹا چھری نہیں آئے تھے۔ تب بھی لوگ کھانا کھاتے تھے۔ اور اب بھی کروڑوں انسان کانٹا چھری استعمال نہیں کرتے۔" آنند نے جواب دیا ——

"پھر بھی آپ کو کئی کاموں میں مشکل تو پیش آتی ہوگی۔ مثلاً پائجامے کا ازار بند باندھنے میں ——"

"میں نے ان میں الاسٹک ڈلوالیا ہے ——" آنند نے وزنی آواز میں کہا۔

"کوٹ یا ٹیونک کس طرح پہنتے ہیں آپ ——"

"پہلے دایاں بازو پہن لیتا ہوں۔ پھر بایاں ——"

"نکٹائی تو آپ باندھ ہی نہیں سکتے ہوں گے۔"

"مجھے ضرورت ہی نہیں پڑتی اس کی۔"

"جب آپ کو سپاہی سیلوٹ کرتے ہوں گے۔ یا آپ کو سینئر آفیسر کو سیلوٹ کرنا پڑتا ہوگا تب ——"

"میں صرف ایڑیاں جوڑ دیتا ہوں ——"

"مسٹر بلبیر ——" کیرتی جو اب تک آنند کو ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی بول پڑی —— "آپ یہ سب باتیں کیوں جاننا چاہتے ہیں ——!"

"کیرتی! میں سوچ رہا تھا کہ اس SUBJECT پر بہترین

فلم بن سکتی ہے ۔" بلبیر نے کہا ۔ "کیا بیوٹی فل SUBJECT ہے ۔ !"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں ۔" آنند نے مسکرا کر گیرتی کو دیکھا ۔ گیرتی آنکھیں نہ ملا سکی ۔ اس نے آنکھیں جھکا لیں ۔

"ہاں گیرتی ! میں کل ہی اپنے سٹوری رائیٹر سے کہوں گا کہ وہ آنند صاحب سے ملے ۔ اور ایک ایسی کہانی تیار کرے ۔ میں کہتا ہوں ابھی جنگ ختم ہونے میں دیر ہے ۔ پھر ہزاروں لاکھوں فوجی اس فلم کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑیں گے ۔ فلم باکس آفس ہٹ جائیگی ۔"

"مسٹر بلبیر ۔" گیرتی نے چلّا کر کہا ۔ "خدا کے لئے یہ باتیں بند کرو ۔"

"لیکن ۔ لیکن ....." بلبیر گھبرا گیا ۔ "میں تو صرف فلم کی روشنی میں کہہ رہا تھا ۔"

"گیرتی تم کیوں بگڑ رہی ہو ۔ آخر انہوں نے بُری بات نہیں کہی ۔ پہلے میں آنند تھا ۔ اب میں SUBJECT ہوں ۔ باتوں کا موضوع ۔ فلم کا موضوع ۔" آنند نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

گیرتی اس طنز کو برداشت نہ کر سکی ۔ "مسٹر بلبیر میرا خیال ہے کہ آپ کو دیر ہو رہی ہے ۔"

"جی ۔ !" بلبیر نے چونک کر کہا ۔

"آپ کہہ رہے تھے نا کہ آپ کو جلدی گھر جانا ہے ۔" گیرتی

نے کہا۔
"مجھے جلدی گھر جانا ہے — ! لیکن ایسی کیا جلدی ہے"
کہہ کر بلبیر نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔
"ہوں —" کیرتی نے غصے میں ہونٹ کاٹے۔
"ہاں تو بلبیر صاحب ! آپ اپنے سٹوری رائیٹر سے کب
ملوائیے گا مجھے۔" آنند نے ہنس کر کہا۔
"آپ جب کہیں ! میرا خیال ہے یہ بہتر رہے گا کہ آپ کل
سٹوڈیو آجائیے۔ وہاں پروڈیوسر بھی ہوگا۔ اور رائیٹر بھی —"
"یہ ٹھیک ہے — کتنے بجے حاضر ہو جاؤں —"
"مسٹر بلبیر! ذرا ایک منٹ ادھر آئیے —" کیرتی نے
کھڑے ہو کر کہا۔
"کچھ کہنا ہے تمہیں —" بلبیر نے سوال کیا۔
"جی ہاں —" کہہ کر کیرتی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ بلبیر بھی
اٹھ کر چلا گیا۔ لیکن جاتے جاتے کہہ گیا —" میں ابھی آیا —"
آنند مسکرا کر سگرٹ کے گہرے کش لینے لگا۔
تین چار منٹ بعد کیرتی لوٹ آئی۔
"مسٹر بلبیر کہاں ہیں —"
"چلا گیا —" کیرتی نے کہا۔
"چلا گیا یا بھیج دیا تم نے —" آنند نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہٹاؤ اس کے ذکر کو — مجھے یہ شخص ایک آنکھ نہیں
بھاتا — مجھے کام کرنا پڑتا ہے اس کے ساتھ ورنہ....."

کیرتی کہہ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں ۔" آنند نے کہا ۔۔۔ ابھی چند منٹ پہلے ہی اس نے دیکھا تھا کہ کار سے اتر کر کیرتی نے بلبیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا ۔۔۔ اور دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے زینہ چڑھ کر آئے تھے ۔ اور دروازے کے باہر بھی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔

ساڑھے تین برس میں کیرتی بہترین اور کامیاب ممثلہ بن گئی تھی ۔۔۔ اب وہ کالج کی لڑکی نہ رہی تھی ۔ اب وہ ایکٹریس کی بیٹی نہ تھی ۔ جو غلاظت سے دور جانا چاہتی تھی ۔۔

اب کیرتی خود ایک نامور اور کامیاب ایکٹریس تھی ۔

اس روز وہ بلبیر کے جانے کے پندرہ منٹ بعد یہ کہہ کر اٹھ آیا کہ اسے ہیڈ کوارٹرز جانا ہے ۔ اور اگلے روز ملے گا ۔

نو برس بعد وہی کیرتی اس کی محبوبہ نہ رہی تھی ۔ صرف ایک ایکٹریس رہ گئی تھی ۔۔۔

آنند نے گہرا سانس لے کر کلائی کی گھڑی دیکھی آٹھ بجنے میں پانچ منٹ تھے ۔ اور ٹھیک آٹھ بجے اسے ڈسٹری بیوٹر سے ملنا تھا آج صبح اس شہر میں وہ نئی کار خرید نے آیا تھا ۔۔۔ اور اچانک اس کا پروگرام بن گیا ۔ کہ سولہ ملی میٹر کی چار پانچ فلمیں خرید لے ۔ جن میں کیرتی نے کام کیا تھا ۔ تاکہ اپنی کوٹھی میں اپنے پروجیکٹر پر جب چاہے اس کی فلم دیکھ لے ۔۔

ڈسٹری بیوٹر نے کہا تھا کہ پرنٹ آٹھ بجے تیار ہو جائیں گے

اس لئے وہ دوپہر تین بجے سے ان سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔
اس نے شہر چھوڑ دیا تھا — تاکہ اس شہر میں رہتے ہوئے کیرتی سے ملاقات نہ ہو جائے۔
کیرتی اب محبوبہ نہ رہی تھی۔ وہ ایکٹریس تھی۔ اور وہ خود نندی نہ رہا تھا۔ بلکہ کہانی کا SUBJECT تھا۔
یہ سوچ کر وہ مسکرا دیا۔ اس نے گذرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اور پرنٹ لینے کے لئے چلا گیا۔

ختم شد

دت بھارتی
۲۷ اپریل ۱۹۶۰ء

(الہ آباد پریس دہلی)

دت بھارتی

کی دیگر تصانیف

تیری عادت ہی سہی	(ناول)	۲/۵۰
اور اسکے بعد	"	۳/۵۰
۲۳ برس	(سوانحعمری)	۱۰/۰۰
ہم کو عبث بدنام کیا	(ناول)	۳/۵۰
برانچ لائن	"	۳/۵۰
سوئمبر	(دو حصّص)	۷/۰۰
سوکھے پتے	(ناول)	۳/۵۰
راہی	" "	۲/۰۰
راکھ	" "	۳/۵۰
جانور	" "	۳/۵۰
تڑپ	" "	۲/۵۰
چوٹ	(دو حصّص) ناول	۴/۷۵
گناہ	" (ناول)	۲/۹۵
سہارا	" "	۳/۰۰
تھکن	(ناول)	۲/۵۰
خوبصورت عورتیں / بدصورت مرد	افسانے	۲/۱۰

پنجابی پستک بھنڈار دریبہ کلاں دہلی ۶

سٹار پاکٹ بکس سیریز کے پہلے دس ناول

۱- گاتا جائے بنجارہ (منتخب کلام) ساحر لدھیانوی
۲- راہگذر یاد آیا (ناول) دت بھارتی
۳- دیدۂ تر (ناول) عادل رشید
۴- تین یکے (ناول) گلشن نندہ
۵- پردیسی (ناول) زبیر
۶- تنکے کا سہارا (ناول) کرپا شنکر بھاردواج
۷- پاگل ریت اور جھاگ (فلسفہ) خلیل جبران
۸- ٹارزن کے دشمن (ناول) ایڈگر رائس بروز
۹- غزل اور نظم (شعر و شاعری) انتخاب
۱۰- کالی گوری (ناول) جمنا داس اختر

قیمت فی کتاب ایک روپیہ

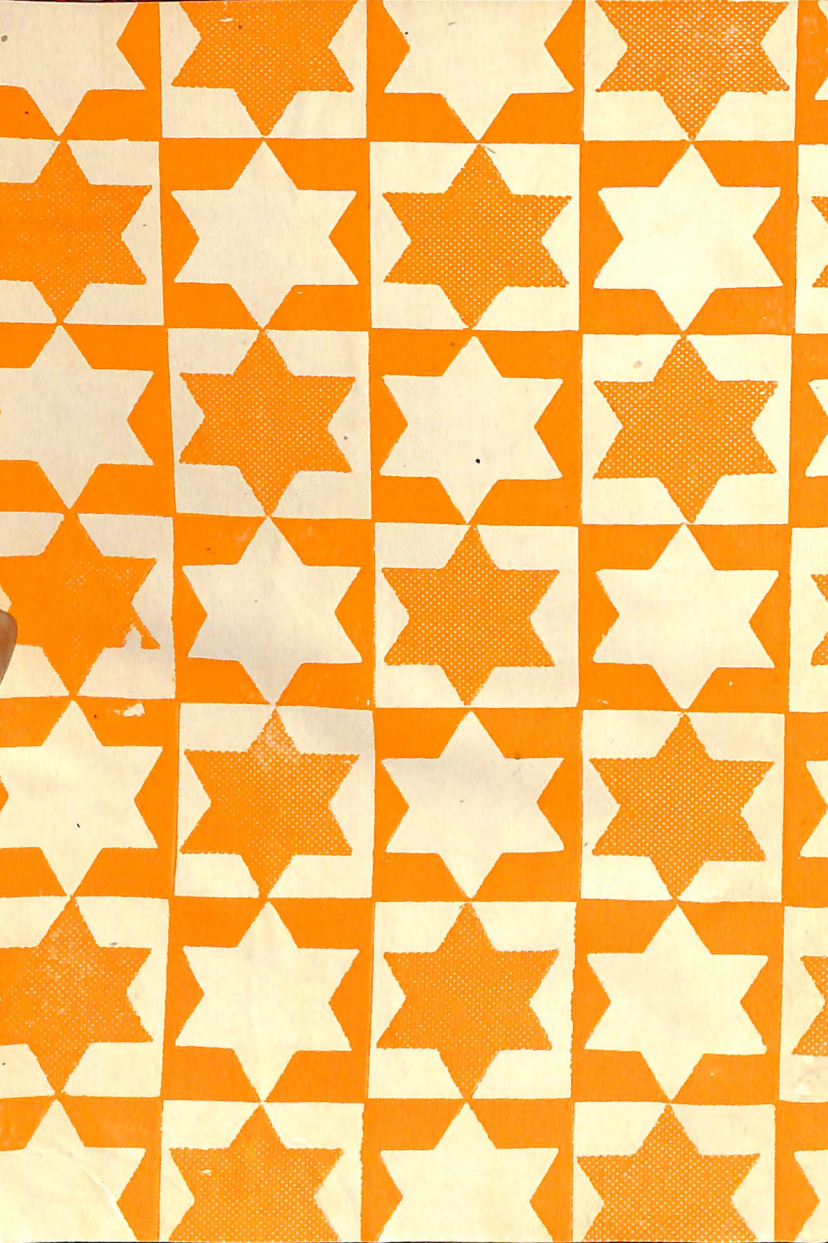

سٹار پاکٹ بکس سیریز